ملفوظات حبیب الامت

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجرپور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی

ملفوظات حبیب الامت (جلد اول)

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مکتبۃ الحبیب

MAKTABA-AL-HABIB

JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM

MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA

Mobile: 09450546400

ملفوظات

حبیب الامت

(جلد دوم)

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

ترتیب و پیشکش

مفتی رفیع الدین قاسمی حبیبی

ناشر

مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور

پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: ملفوظات حبیب الامت (جلد دوم)
مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات: ۳۲۰
قیمت: ۳۳۰
ناشر: مکتبۃ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی
۲- مکتبۃ الحبیب خانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی
۳- مکتبۃ الحبیب و خانقاہ حبیب جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن
۴- مکتبۃ طیبہ دیوبند، سہارنپور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

(ملفوظات حبیب الامت)

(جلد دوم)

نمبر شمار	عناوین ملفوظات	صفحہ
۱	عرض رفیع	۱۷
۲	تصوف کے چند جواہر پارے	۲۱
۳	علماء حقہ کی توہین کرنے والے کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے	۲۲
۴	غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے	۲۴
۵	غیر محقق صوفیاء سے دین کو جتنا نقصان پہونچا اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں۔	۲۵
۶	حضرت گنگوہی کا حضورﷺ کی مجلس میں فتوی دینا	۲۷
۷	حضرت گنگوہی کا گنگوہ کی خانقاہ کا احترام	۲۸
۸	تصور شیخ اور حضرت گنگوہی کا موقف	۲۸
۹	اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط بات نہیں نکلوائے گا۔	۲۹

۱۰	مکاشفات کی تین قسمیں ہیں	۳۱
۱۱	حضرت مولانا گنگوہی کا ایک ملفوظ	۳۲
۱۲	مامی کنیم، مامی کنیم، مامی کنیم	۳۳
۱۳	حضرت مفتی محمود حسن صاحب کا ایک ملفوظ	۳۴
۱۴	تعویذ کی کاپی کے گم ہونے کا واقعہ	۳۶
۱۵	حضرت مفتی محمود حسن صاحب عامل نہیں تھے	۳۶
۱۶	حضرت قاری صدیق صاحب باندوی بھی عامل نہیں تھے	۳۷
۱۷	حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی نصیحت	۳۹
۱۸	مانی کلاں کا ایک واقعہ	۴۰
۱۹	مانی کلاں میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا پہلا چندہ	۴۳
۲۰	جمد ہاں کے بدرالدین بھائی کا واقعہ	۴۴
۲۱	اس خادم کا معمول	۴۶
۲۲	ملیشیا کا ایک واقعہ	۴۶
۲۳	لندن کا ایک واقعہ	۴۸
۲۴	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب طوبیٰ کے درخت ہیں	۵۱
۲۵	حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا ایک خواب اور اس کی تعبیر	۵۳
۲۶	ارکان اسلام چار ہیں	۵۶

۲۷	حضرت ابوبکر کے خلیفہ اول ہونے کی دلیل	۵۸
۲۸	آقا کے خاتم الانبیاء ہونے کی دلیل	۶۰
۲۹	حبیب اور خلیل میں فرق	۶۱
۳۰	اگر کوئی محتاج سمجھ کر مجھ کو ہدیہ دیتا ہے تو لینے کو دل نہیں چاہتا	۶۴
۳۱	اگر مولویت کا دھبہ نہ ہوتا تو میری ہوا تک کوئی نہ پاتا	۶۵
۳۲	حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا ایک خواب اور اس کی تعبیر	۶۷
۳۳	حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور میلہ خدا شناسی	۷۰
۳۴	میں وہی کرتا ہوں جو ان کو مکشوف ہوتا ہے	۷۲
۳۵	حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا کرتہ میں بٹن نہ لگوانا	۷۴
۳۶	حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک دوسرے پر اعتماد۔	۷۶
۳۷	دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی اینٹ کس نے رکھی؟	۷۸
۳۸	مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ آپ میں بھی یہ جوہر ہے	۷۹
۳۹	حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی طبعی نظافت	۸۲
۴۰	وہ میرے مشتاق ہیں میں ان کا مشتاق نہیں	۸۳
۴۱	دنیا ہم بھی کماتے ہیں اور دنیا والے بھی	۸۵
۴۲	امام رازی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے علم میں فرق	۸۸

۴۳	تین کتابیں البیلی ہیں	۸۹
۴۴	میلاد کے بارے میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی رائے	۹۰
۴۵	اس خادم کا ذاتی تجربہ	۹۴
۴۶	کلام خواجہ عثمان ہارونی	۹۵
۴۷	کلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی	۹۶
۴۸	کلام امیر خسرو	۹۷
۴۹	کلام حافظ شیرازی	۹۷
۵۰	ترجمہ کلام شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی	۹۸
۵۱	حضرت گنگوہی کی خانقاہ کا ایک واقعہ	۱۰۳
۵۲	حضرت نانوتوی کے انتقال پر حضرت گنگوہی کا اظہار تأسف	۱۰۵
۵۳	چندہ لینے کے اصول	۱۰۶
۵۴	حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ملفوظ	۱۰۹
۵۵	مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی بہرائچی کا ملفوظ	۱۱۰
۵۶	ہمارے اکابر کا اکرام ضیف	۱۱۱
۵۷	حضرت شیخ الہند کا واقعہ	۱۱۳
۵۸	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا ملفوظ	۱۱۴
۵۹	مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا واقعہ	۱۱۴

۶۰	حضرت تھانوی کے دسترخوان پر حضرت سہارنپوری کا اکرام	۱۱۵
۶۱	حضرت تھانوی کا ملفوظ	۱۱۶
۶۲	مقروض کی دعوت کراہت سے خالی نہیں	۱۱۷
۶۳	جذبۂ خدمت خلق	۱۱۹
۶۴	بڑوں کا انداز تعلق	۱۲۲
۶۵	عدم معرفت کی وجہ سے ناقدری	۱۲۴
۶۶	چالیس دن گوشت نہ کھانے کی وجہ سے کیا عقل میں نقص آجاتا ہے؟	۱۲۶
۶۷	اولیاءاللہ کی مالداروں سے دوری	۱۲۷
۶۸	اللہ والوں کے فیوض و برکات	۱۲۸
۶۹	حضرت مالک بن دینار کا واقعہ	۱۲۹
۷۰	حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ	۱۳۰
۷۱	خواجہ عثمان ھارونی کے پیر بھائی کا واقعہ	۱۳۱
۷۲	اللہ والوں سے ڈرتے رہیو کیونکہ ان کی سیدھی تو سیدھی ہوتی ہی ہے الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔	۱۳۲
۷۳	اللہ اولیاء کی حفاظت فرماتے ہیں	۱۳۳
۷۴	سود کھانے اور ناپ تول میں کمی کی نحوست	۱۳۴
۷۵	تذکرہ حضرت حبیب عجمی	۱۳۵

۷۶	ناسوت، ملکوت، جبروت کی تشریح	۱۳۶
۷۷	انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے	۱۳۷
۷۸	انسان کے عناصر اربعہ اور ان کی خصوصیات	۱۳۸
۷۹	سالکین کے ذکر کی علت خفیہ	۱۳۹
۸۰	عالم ملکوت کے لطائف خمسہ	۱۴۰
۸۱	لطائف خمسہ	۱۴۱
۸۲	لطائف خمسہ کے ذکر کے ثمرات	۱۴۲
۸۳	مقاماتِ لطائف خمسہ کی تعیین	۱۴۳
۸۴	تزکیہ کے لئے شیخ کا ہونا کیوں ضروری ہے؟	۱۴۴
۸۵	اللہ والا بننے کے لئے تین رکاوٹیں	۱۴۵
۸۶	بیعت کے اقسام	۱۴۷
۸۷	اجازت وخلافت کے اقسام	۱۴۸
۸۸	وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی وضاحت	۱۵۰
۸۹	عینیت اور غیریت کی وضاحت	۱۵۱
۹۰	ہمہ اوست کی وضاحت	۱۵۳
۹۱	ادب وتأدب اور سالکین	۱۵۵
۹۲	ادب وتأدب کی برکات	۱۵۷

۹۳	اللہ والوں کا دل دکھانے سے بچنا چاہئے	۱۶۱
۹۴	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خانقاہ اور ایک ابدال	۱۶۲
۹۵	ایک شکل کا کئی جگہوں پر دکھائی دینا	۱۶۴
۹۶	نسبتِ اویسیہ کی حقیقت اور وضاحت	۱۶۶
۹۷	اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ سے رجوع کرنے کا حکم	۱۶۷
۹۸	چار قسم کے انسانوں کی صحبت سے بچنا چاہئے	۱۷۰
۹۹	بُری صحبت کا نتیجہ	۱۷۲
۱۰۰	اللہ والوں کی محبت مغفرت کا ذریعہ ہے	۱۷۳
۱۰۱	ذرائع علم کا ادب	۱۷۴
۱۰۲	بیعت کی برکت	۱۷۵
۱۰۳	اللہ والوں کی نظر چھوٹی باتوں پر	۱۷۶
۱۰۴	ایک دینار کی برکت	۱۷۷
۱۰۵	اتباع سنت ہی اصل کرامت ہے	۱۷۹
۱۰۶	اللہ والوں کی خدمت میں رہنے والوں کی ایک عادت	۱۸۰
۱۰۷	حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا ملفوظ	۱۸۰
۱۰۸	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۸۱
۱۰۹	حضرت تھانویؒ کا ملفوظ	۱۸۲

۱۱۰	جب مجھ کو تکلیف پہونچی میرے رب نے بدلہ لے لیا	۱۸۲
۱۱۱	رومال ڈالتے ہی انسان جانور نظر آنے لگے	۱۸۴
۱۱۲	اے سری تو میرے جیسا ہو جا	۱۸۶
۱۱۳	اپنے بڑوں کی استقامت	۱۸۸
۱۱۴	طلباء اللہ کے رسول کے مہمان ہیں	۱۹۱
۱۱۵	فیض جاری ہونے کے لئے تقوی کی ضرورت پڑتی ہے	۱۹۳
۱۱۶	تیرا غلام تیرا حکم جاننا چاہتا ہے	۱۹۴
۱۱۷	جب ہم نہیں ہوں گے تو تم ہی تم ہو گے	۱۹۵
۱۱۸	یہ ایسی دال ہے کہ اس سے وضوء ہو جائے	۱۹۷
۱۱۹	حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے زمانہ کا واقعہ	۱۹۸
۱۲۰	حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی خانقاہ کا واقعہ	۱۹۹
۱۲۱	حضرت رائے پوری کے طالب علمی کا واقعہ	۲۰۱
۱۲۱	طلب علم میں انہماک کا ایک واقعہ	۲۰۲
۱۲۲	مقتداء و علماء حضرات کو محتاط رہنا چاہئے	۲۰۴
۱۲۳	حضرت تھانوی کا معمول	۲۰۵
۱۲۴	حضرت امام اعظم کی حاضر جوابی	۲۰۶
۱۲۵	ایک بادشاہ کے وزیر کی ذہانت	۲۰۷

۱۲۶	حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ایک واقعہ	۲۰۸
۱۲۷	اپنے بڑوں کا علم سے لگاؤ	۲۰۹
۱۲۸	والدین کی خدمت کی برکت	۲۱۱
۱۲۹	اذان کے احترام کی برکت	۲۱۴
۱۳۰	سولہ دن میں سولہ قرآن کریم کا ختم	۲۱۵
۱۳۱	لمبا سجدہ کرنے کا راز	۲۱۶
۱۳۲	حضرت شیخ الہند کی تراویح	۲۱۷
۱۳۳	رمضان المبارک میں حضرت رائے پوری کا معمول	۲۱۸
۱۳۴	حضرت ابراہیم بن ادہم کا سفرِ حج	۲۱۹
۱۳۵	طواف بیت کا نہیں رب البیت کا ہے	۲۲۰
۱۳۶	روزانہ ستر طواف	۲۲۱
۱۳۷	ایک ماہ میں ترسٹھ قرآن پاک کا ختم	۲۲۱
۱۳۸	بدنگاہی کا اثر	۲۲۲
۱۳۹	حضرت ذوالنون مصری کا ایک واقعہ	۲۲۴
۱۴۰	والدین کی بددعاء رائیگاں نہیں جاتی	۲۲۵
۱۴۱	عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے بہتر ہے	۲۲۶
۱۴۲	قوت حافظہ کا ایک مجرب نسخہ	۲۲۸

۱۴۳	علم وعلماء سے دوری کی نحوست	۲۳۰
۱۴۴	علم وعلماء سے بغض باعث ہلاکت ہے	۲۳۱
۱۴۵	دنیا کا نظام چار چیزوں سے قائم ہے	۲۳۲
۱۴۶	علماء کا مقام آخرت میں	۲۳۴
۱۴۷	طلباءعلم دین پرخرچ کرنے کی فضیلت	۲۳۵
۱۴۸	علماءحسد کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے	۲۳۷
۱۴۹	مظلوم کی آہ سے بچو	۲۳۹
۱۵۰	مظلوم کی مدد نہ کرنے پر عذاب	۲۴۱
۱۵۱	حضرت رابعہ بصریہ اور حضرت حسن بصری کا مکالمہ	۲۴۳
۱۵۲	والدین کی نافرمانی کی سزا	۲۴۸
۱۵۳	ماں باپ کے اولاد پر دس حقوق	۲۵۰
۱۵۴	تین چیزیں بغیر تین کے مقبول نہیں	۲۵۴
۱۵۵	حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ	۲۵۶
۱۵۶	ماں کی دعا کا اثر	۲۵۹
۱۵۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں آنے والے مہمان کا واقعہ	۲۶۱
۱۵۸	حضرات صحابہ کا ایک اہم سوال اور حضور کا جواب	۲۶۲
۱۵۹	اللہ کی اپنے حبیب کو پانچ نصیحتیں	۲۶۳

۱۶۰	ابدالوں کی سات نصیحتیں	۲۶۶
۱۶۱	طاعت کی حلاوت ملنے والی سات چیزیں	۲۷۰
۱۶۲	مصیبت اور معصیت میں فرق	۲۷۱
۱۶۳	سات چیزیں انسان کی قبر کو روشن کرتی ہیں	۲۷۳
۱۶۴	اہل محلّہ میں سے ایک کے نماز چھوڑنے پر پورے محلّہ والوں پر لعنت برستی ہے	۲۷۶
۱۶۵	دین پر استقامت کے لئے دس باتوں کی ضرورت	۲۷۷
۱۶۶	حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات	۲۸۰
۱۶۷	حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے کا ایک واقعہ	۲۸۴
۱۶۸	حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ	۲۸۵
۱۶۹	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ	۲۸۷
۱۷۰	جماعت کی نماز چھوڑنے پر بارہ قسم کا عذاب	۲۸۹
۱۷۱	شیطانوں کا انسان سے بھاگنا	۲۹۱
۱۷۲	حضرت دحیہ کلبی کا واقعہ	۲۹۳
۱۷۳	حضرت معاذ بن جبل کے ایک سفر کا واقعہ	۲۹۶
۱۷۴	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تدفین کا واقعہ	۲۹۸
۱۷۵	حضرت بلال حبشی کا واقعہ	۳۰۰

۱۷۶	حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ملفوظ	۳۰۱
۱۷۷	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال	۳۰۳
۱۷۸	حضرت الیاس علیہ السلام کا واقعہ	۳۰۵
۱۷۹	حضرت رائے پوری کا واقعہ	۳۰۶
۱۸۰	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ملفوظ	۳۰۶
۱۸۱	حضرت عبداللہ ابن عمر کے کپڑے میں پیوند کا واقعہ	۳۰۷
۱۸۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ	۳۱۰
۱۸۳	تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم	۳۱۴
۱۸۴	حبیب الفتاوی ارباب افتاء واصحاب علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ	۳۱۷
۱۸۵	تصانیف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم	۳۱۹

☆☆☆

عرض رفیع

(پیش لفظ ملفوظات حبیب الامت)

حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، ضلع اعظم گڑھ یو پی انڈیا ہندوستان کے ان چیدہ و برگزیدہ اہل علم، اہل تقوی، اہل فضل وکمال میں سے ہیں جنہوں نے سیکڑوں اہل علم وفضل اور صاحب کمال وجمال بزرگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

جو دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں، جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے، آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے، اور دے رہے ہیں، تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے، آپ کے ہزاروں فیض یافتہ تلامذہ ہندو بیرون ہند، ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

راقم جب دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوگیا تو افتاء وتخصص فی الحدیث کی تعلیم کے لئے کسی کہنہ مشق مفتی اور ماہر علم وفن پرانے مدرس کی جستجو شروع ہوئی، حضرت والا دامت برکاتہم کا نام نامی اسم گرامی سن کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آپ کی بابرکت خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، حاضری کے بعد

جب احاطۂ جامعہ میں چل پھر کر دار العلوم کی تعلیمی وتعمیری ترقیات پر ایک نظر پڑی بالخصوص دار العلوم کے کتب خانہ کو جب دیکھا اور اس میں موجود ہر فن کی کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود پایا تو راقم حیران رہ گیا اور بے ساختہ زبان سے یہ نکلا کہ یہ تو شہرِ علم ہے جو مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور طالبانِ علوم نبوت کی علمی تشنگی دور کرنے کا یہ مرکز ہے، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی علمی و روحانی، فکری و ذہنی صلاحیتوں کا جلوۂ صد رنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف دیکھائی دے رہا تھا۔

الغرض راقم نے اپنے رفقاء کے ساتھ افتاء میں داخلہ لیا اور حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کے علوم و فیوض سے مستفیض ہونے کا بھرپور موقع ملا، آپ کی محبت وشفقت کو پا کر ہمارے رفقاء اپنے ماں باپ کو بھول گئے، تین سال تک یہ راقم ادارہ میں رہا اور آپ کی پدرانہ شفقتوں سے فیض یاب ہوتا رہا۔

پہلا سال افتاء کا تھا جس کی تعلیم کے دوران ہمارے تمام ساتھیوں کا نیز ہمارے بعد آنے والے ہمارے تمام رفقاء کا یہ تأثر رہا کہ افتاء کی جتنی عمدہ تعلیم اس ادارہ میں دی جا رہی ہے ویسی تعلیم افتاء کی کسی بھی ادارہ میں نہیں ہو رہی ہے، حتی کہ دار العلوم دیوبند میں بھی افتاء کی ایسی تعلیم نہیں ہے، چونکہ ہمارے بہت سے رفقاء ہندوستان کے بہت سے مدارس کے دار الافتاء میں زیر تعلیم رہ کر یہاں آئے تھے اور ہمارے بہت سے رفقاء دار العلوم دیوبند میں بھی شریک درس رہے تھے، ان سب نے یہاں کے افتاء کی تعلیم کی تحسین کی اور سب سے زیادہ لائق وفائق قرار دیا جس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ ایک سال کے بعد افتاء میں یہاں پچاس ساٹھ طلباء جمع ہوگئے جن کی تعلیم کے ساتھ دیگر سارے لوازمات کا حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے بحسن وخوبی انتظام کیا، اچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ جامعہ کے تمام طلباء و مدرسین و ملازمین کے لئے مرادآبادی مرغ بریانی کا ہفتہ میں ایک مرتبہ نظم فرمایا جوسلسلہ کئی سال تک چلتا رہا اور حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم پوری محبت وشفقت کے ساتھ ہمارے تمام رفقاء کی اچھی قیام گاہ اچھا خوردونوش اوراچھی تعلیم وتربیت میں لگے رہے۔

راقم اور راقم کے رفقاء کی خواہش اوراصرار پر اگلے سال تخصص فی الحدیث کا دو سالہ کورس عمل میں آیا اور حضرت والا نے پوری فکر اور لگن کے ساتھ تخصص فی الحدیث کی تمام ضروریات کا نظم وانتظام کیا اور ہم تمام رفقاء دوسال تک تخصص فی الحدیث کے شعبہ سے وابستہ ہوکر حضرت حبیب الامت کے علمی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے۔

راقم کا قیام اس ادارہ میں تین سال رہا، اس دوران دو رمضان بھی آئے ان دونوں رمضان میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی خانقاہ میں اخیر عشرہ کے اعتکاف کی سعادت بھی راقم کو اپنے رفقاء کے ساتھ حاصل ہوئی۔ حضرت کی خدمت کے ساتھ حضرت کے قیمتی ارشادات، ملفوظات، خطابات سے بھی مستفیض ہونے کا خوب خوب موقع ملا، چونکہ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سیکڑوں بزرگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اوران سے علمی وروحانی اکتساب فیض کا پورا پورا آپ کو موقع ملا ہے، اس لئے حضرت والا ان فیوض و برکات کو عوام وخواص، علماء وطلباء کی مجلسوں میں اپنے مخصوص انداز میں پیش فرماتے اور حاضرین کو فیض یاب فرماتے۔

راقم نے تین سالہ قیام کے دوران یہ محسوس کیا کہ حضرت کے قیمتی ارشادات

وملفوظات کتابی شکل میں عوام وخواص کے ہاتھوں میں آنا چاہئے، چونکہ حضرت کے ملفوظات کا اسلوب وانداز عام ملفوظات پر مشتمل کتابوں کے انداز سے یکسر مختلف ہے، بالخصوص تصوف وسلوک سے متعلق آپ کے جوارشادات ہیں ان کو پڑھنے اور دیکھنے کے بعد یقیناً سالک کا دل تڑپ اٹھے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ کسی درنایافت کی یافت ہوگئی ہے۔

زبان کی شائستگی اور شگفتگی اور ارشادات میں تسلسل اور واقعات کا حسین انطباق جس انداز سے آپ ملفوظات حبیب الامت میں پائیں گے پڑھنے کے بعد یقیناً آپ محسوس کریں گے کہ ملفوظات حبیب الامت یقیناً دیگر ملفوظات سے یکسر انمول ومنفرد ہے۔

بہرحال راقم سے جو کچھ ہوسکا حضرت کے ارشادات وملفوظات کی دوسری جلد آپ حضرات کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

پہلی جلد طبع ہوکر ہزاروں کے ہاتھ میں پہونچی اور جس نے پڑھا پسند کیا، اب دوسری جلد حاضر خدمت ہے۔ اخیر میں راقم دعا گو ہے کہ اللہ پاک حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ان کی قدردانی کے ساتھ ان کے سینہ میں محفوظ علم وفن سے عوام وخواص علماء وطلباء کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ع

این دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

بندہ رفیع الدین قاسمی حبیبی
یکم محرم الحرام ۱۴۴۳ھ

تصوف کے چند جواہر پارے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

دیگر علوم کی طرح فن تصوف بھی ایک قیمتی علم ہے جس سے ہزاروں ہزار ہستیاں وابستہ رہی ہیں اور جنہوں نے اس فن کی گہرائی میں اتر کر اس کو اچھی طرح جانا پہچانا اور سمجھا ہے اور اسکا عطر العطو ر اور خلاصہ و نچوڑ، مختصر انداز و الفاظ میں امت کے سامنے پیش کر کے امت کے لئے بالخصوص سالکین کے لئے ایک انمول جواہر پارے کی شکل دے دی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جو ہندوستان کے علم وفن کے امام کے ساتھ تصوف اور سلوک کے بھی رمز آشنا تھے انہوں نے تصوف کا خلاصہ ان چند کلمات میں بیان کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صوفی میں درج ذیل اخلاق کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا یعنی کبر سے دور رہنا۔

(۲) خلق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرنا یعنی غیض وغضب سے دور رہنا۔

(۳) ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنا اور دوسروں کو اپنے سے اعلیٰ وافضل سمجھنا۔

(۴) ہر ایک کے ساتھ سخاوت کا معاملہ کرنا بخل سے دور رہنا۔

(۵) خلق خدا کی غلطیوں کو معاف کر دینا اور درگزر سے کام لینا۔

(۶) خلق خدا کے ساتھ بشاشت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

(۷) تصنع اور تکلف سے اپنے کو دور رکھنا اور سادگی کو اختیار کرنا۔

(۸) اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا اور کشادہ دستی کا مظاہرہ کرنا۔

(۹) اللہ تعالیٰ پر جیسا بھروسہ کرنا چاہئے ویسا ہی بھروسہ کرنا۔

(۱۰) تقوی اور پرہیزگاری ہر حال میں اختیار کرنا۔اور اللہ دیکھ رہا ہے اس کا استحضار پیدا کرنا۔

(۱۱) بقدر کفاف تھوڑی دنیا پر قناعت کرنا،حرص وطمع اور لالچ سے دور رہنا۔

(۱۲) حب مال حب جاہ سے اپنے کو دور رکھنا۔

(۱۳) وعدہ خلافی سے اپنے کو دور رکھنا۔

(۱۴) بردباری اور دوراندیشی کے ساتھ زندگی گزارنا۔

(۱۵) اپنوں سے محبت اور الفت کا برتاؤ رکھنا اور اغیار سے دور رہنا۔

(۱۶) اپنے محسن کا شکرگزار رہنا ناشکری سے گریز کرنا۔

علماء حقہ کی توہین کرنے والے کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اس دار فانی کی زندگی ہر مومن کو بہت محتاط رہ کر گزارنی چاہئے بالخصوص زبان

کے استعمال میں تو بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، بعض مرتبہ بعض لوگ نادانی میں اپنی زبان کا اس درجہ غلط استعمال کر بیٹھتے ہیں کہ ان پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا، جب قینچی کی طرح زبان چلتی ہے تو یہ زبان اپنے کو دیکھتی ہے نہ پرائے کو نہ چھوٹے کو دیکھتی ہے نہ بڑے کو، نہ پڑھے لکھے کو دیکھتی ہے نہ ان پڑھ کو حتی کہ نہ ماں باپ کو دیکھتی ہے نہ بھائی بہنوں کو، ہر ایک کی ردائے تقدس کو اس طرح کاٹتی ہوئی اور عظمت و تقدس کو تار تار کرتی ہوئی چلی جاتی ہے کہ بڑے بڑے دانا انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، لیکن اپنی زبانوں کو اس طرح بے لگام اور بے محابہ چھوڑنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کا خمیازہ ان کو دنیا کے ساتھ دنیا چھوڑنے کے بعد بھی بھوگنا پڑتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ علماء دین و علماء حقہ کی توہین و تذلیل تحقیر و تنقیص کرتے ہیں اور ان پر الزام و بہتان لگاتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسوں کا چہرہ قبر کے اندر قبلہ سے پھر جاتا ہے اور پورے عزم و یقین کے ساتھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو یقین نہ آئے وہ جا کے دیکھ لے، بہت ہی ڈرنے کی بات ہے، خاص طور پر سالکین کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے کسی سے مناسبت کا نہ ہونا الگ چیز ہے، لیکن تنقیص و تحقیر سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اس سے آپ لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں ان اولادوں کا جو اپنے محسن اور مشفق اور کرم فرما ماں باپ کی تنقیص تحقیر اور تذلیل کرتے ہیں اور باپ پر بے جا الزامات اور تہمتیں لگا کر نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے پاؤں پر گرانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایسوں کا حشر قبر میں کیا ہوگا۔

الامان الحفيظ

ان اللـه علـيـم خبيـر وهو يفعل مايشاء و ما يريد انه على كل شئ قدير۔

غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ایک فرقہ ہے جس کا نام غیر مقلد ہے اور ان کو غیر مقلد اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ کسی کی بھی تقلید نہیں کرتے بلکہ کسی نہ کسی کے مقلد ضرور ہوتے ہیں، البتہ حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید کو یہ حرام سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کو روا سمجھتے ہیں بلکہ ان چاروں اماموں کی اتباع کرنے والوں کو بھی وہ مطعون سمجھتے ہیں اور ان کو بھی برا بھلا کہتے رہتے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ان ائمہ کو اور ان کی لکھی ہوئی کتابوں کو ماننے والے کل قیامت کے دن یہ کہیں گے:

”ربـنـا إنـا أطـعـنـا سادتنا و كبرائنا فاضلوانا السبيلا ربنا اتهم ضعفين من العذاب و ألعنهم لعنا كبيرا“۔

بہت سے حضرات ان کو لا مذہب بھی کہتے ہیں، سعودیہ میں اللا مذہبیہ کے نام سے کتاب بھی شائع ہوئی ہے جو عام طور سے ملتی ہے جس میں ان کی فکری کجی کو بیان

کیا گیا ہے، لیکن یہ لوگ اپنے کو اہل حدیث کہتے اور کہلواتے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

چونکہ یہ لوگ علماء حقانی ائمہ ہدی کی تنقیص تحقیر و تذلیل کرتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

غیر محقق صوفیاء سے دین کو جتنا نقصان پہونچا اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں

حضرت حبیب الامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جو شریعت وطریقت کے عالم ہی نہیں بلکہ امام تھے اور علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ پر بھی آپ کو دسترس حاصل تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علوم تصوف کے منبع ومخزن آپ ہی تھے تو غلط نہیں ہوگا۔

نیز اس میں بھی شک نہیں کہ دیوبندیت کی بنیاد اور مسلک دیوبندیت کے نوک و پلک کو آپ ہی نے سنوارا اور سجایا ہے اور آپ ہی کی علمی گہرائی اور گیرائی کا وہ ثمرہ ہے جس کی تعبیر مسلک دیوبندیت سے کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی بالغ نظری کے ساتھ ہر حکم بیان فرماتے تھے اور پورے تیقن کے ساتھ

آپ کی زبان سے ہر بات نکلتی تھی جس میں زیغ وضلال کا کوئی اندیشہ یا امکان نہیں ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ شروع سے اب تک صوفیاء غیر محققین سے جس قدر دین کو نقصان پہونچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہونچا عقائد کے اعتبار سے اور اعمال کے اعتبار سے بھی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شارع علیہ الصلوۃ والتسلیم نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا، لیکن حضرات صوفیاء غیر محققین نے استغراق کو مقصود بنالیا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت مجدد الف ثانی اور سید احمد شہید بریلوی نے نام کے صوفیاء اور علم وتحقیق سے عاری صوفیاء کے عقائد واعمال کی بہت اصلاح فرمائی چونکہ اللہ تعالیٰ نے طریق سنت کو ان کے قلوب پر منکشف فرمادیا تھا۔

اور الحمد للہ مجھ پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی طریق منکشف فرمادیا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اس طریق کی اصلاح کا وہ کام مجھ سے لے رہا ہے جو اسلاف مذکورین سے اللہ نے لیا، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر نماز باجماعت فرائض وواجبات کا کوئی اہتمام کرتا ہے تو نہ ہی اس کو یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہوگیا اور نہ دوسرے ہی اس کو ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن فرائض وواجبات سے ہٹ کر اشراق چاشت اوابین وغیرہ کا کوئی پابند ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی اپنے کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے اور دوسرے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ ہوگیا، حالانکہ فرائض وواجبات اور سنت مؤکدہ کا

جو اہتمام حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ ان نوافل کا نہیں لیکن طریق سنت سے ہٹنے میں یہی خطرہ ہوتا ہے کہ شیطان کو رہزنی کا موقعہ مل جاتا ہے اور طریق سنت پر چلنے میں شیطان کو رہزنی کا موقع نہیں ملتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ایک صاحب سے سوال کیا کہ آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اب آپ کو طریقت کی لائن سے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبہ احسان کے حاصل ہو جانے کے بعد اشغال صوفیاء میں مشغول ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص گلستاں بوستاں پڑھنے کے بعد کریماً شروع کر دے۔

حضرت گنگوہی کا حضورؐ کی مجلس میں فتوی دینا

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں مجھ کو سامنے کھڑا کیا اور آپ نے سو مسائل مجھ سے دریافت فرمائے۔

میں نے ہر مسئلہ کا جواب دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی تصویب فرمائی اور بہت مسرور ہوئے یہ خواب بیان کرنے کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میں بہت خوش ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کسی

مسئلہ میں پوری دنیا میرے خلاف ہو جائے تب بھی انشاءاللہ حق میری طرف ہی ہوگا۔

حضرت گنگوہی کا گنگوہ کی خانقاہ کا احترام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا تو خانقاہ کے ادب واحترام کا میرے دل و دماغ کے اوپر اتنا غلبہ تھا کہ خانقاہ میں استنجاء کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، قضاء حاجت کے لئے جنگل جایا کرتا تھا۔ اسی طرح لیٹنے اور جوتا پہن کر چلنے پھرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی چونکہ اپنے وقت کے بڑے شیخ اور عارف باللہ کی یہ جگہ تھی۔

تصورِ شیخ اور حضرت گنگوہی کا موقف

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی مجلس میں تصورِ شیخ کا مسئلہ زیر بحث تھا، اسی درمیان آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور وجد کے ساتھ آپنے حاضرین مجلس سے کہا کہو تو کہد وں، حاضرین نے اس کے جواب میں کہا جی! ضرور ارشاد فرمائیں دوبارہ پھر آپ نے اسی کیفیت کے ساتھ فرمایا کہ کہو تو کہہ دوں، اس کے جواب میں بھی حاضرین نے یہی کہا کہ جی حضرت! ارشاد فرمائیں، پھر تیسری مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو تو کہہ دوں، تیسری مرتبہ جب تمام حاضرین نے یہ کہا

کہ حضرت ارشاد فرمائیں اور تمام حاضرین ہمہ تن گوش ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ تین سال تک مکمل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر جوش آیا اور آپ نے فرمایا کہ کہو تو کہہ دوں، یہ سن کر حاضرین مجلس نے درخواست کی کہ حضرت! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کئی سال تک حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی کام آپ سے پوچھے بغیر نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر آپ کو جوش آیا اور فرمایا کہ کہو تو کہہ دوں، اس کے جواب میں حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت ضرور ارشاد فرمائیں، لیکن آپ خاموش ہوگئے، اگلے دن بھی حاضرین مجلس نے اصرار کیا لیکن آپ خاموش ہی رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔

اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط بات نہیں نکلوائے گا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے کوے کی حلت کا فتوی دیا تو خاص طور پر بریلویوں نے بہت واویلا مچایا اور اس فتوی کو بنیاد بنا کر حضرت گنگوہی پر طعن وتشنیع کا دروازہ کھول دیا۔

اسی زمانہ میں جب یہ مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا تھا ایک صاحب نے پنجاب کے ایک بزرگ شاہ دولہ مجذوب سے اس مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت کچھ معلوم بھی ہے، مولانا رشید احمد گنگوہی نے کوے کے حلال ہونے کا فتوی دے دیا ہے۔ اس کے جواب میں شاہ دولہ مجذوب بزرگ نے فرمایا کہ میاں! مولوی رشید احمد کی بات کرتے ہو'' میاں! مولوی رشید احمد کی بات کرتے ہو'' میاں! مولوی رشید احمد کی بات کرتے ہو اس کا قلم تو عرش الٰہی کو دیکھ کر چلتا ہے۔

اس کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اس کی تائید میں حضرت گنگوہی کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں ہے ذرا اس کو دیکھو۔ حضرت مولانا نے بہت تلاش کیا، لیکن ان کو نہیں ملا۔ حضرت سے جا کر انہوں نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ تو شامی میں نہیں ہے، اس کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ شامی لے کر آؤ۔ چنانچہ شامی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی باوجودیکہ آپ اس وقت بینائی سے معذور تھے، آپ نے صفحہ کھول کر رکھ دیا اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔

چنانچہ جب دیکھا گیا تو وہ مسئلہ وہاں لکھا ہوا تھا، حضرت کی اس بصیرت کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے اس کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مجھ سے غلط بات نہیں کہلوائے گا، اس لئے مجھے یقین تھا کہ جو بات

میں نے کہی ہے وہ کتاب میں ضرور موجود ہے۔

مکاشفات کی تین قسمیں ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

کشف و کرامت اگر چہ ولایت کے لوازمات میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اہل طریق کے یہاں طریقت کا یہ کوئی بنیادی عنصر ہے اس لئے کہ اس کا تعلق ریاضت ومجاہدہ سے ہے اس سے پہلے کی مجالس میں یہ بات آچکی ہے کہ جو سالکین کشف وکرامت کے حصول کے در پے ہوتے ہیں وہ عموماً اس سے محروم رہتے ہیں۔

کشف وکرامت کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو بھی اس سے پہلے آچکی ہے، آج تو صرف یہ عرض کرنا ہے اور سمجھانا ہے کہ مکاشفات کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کی حیثیت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک ملفوظ بہت اہم ہے وہ آپ حضرات بھی سن لیں۔ حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ مکاشفات کی تین قسمیں:

(۱) تحت التکوین اس میں کافر ومسلمان دونوں برابر ہیں۔

(۲) مکاشفہ عن لوح المحفوظ۔ یہ خاص ہے مسلمانوں کے ساتھ یہ مکاشفہ کافروں کو حاصل نہیں ہوتا۔

(۳) مکاشفہ عن علم اللہ۔ لیکن یہ مکاشفہ خاص ہے۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ لیکن پہلے دو مکاشفات میں غلطی کا امکان ہے، کیونکہ ان دونوں میں زمان ومکان کی تعیین تخمینہ سے ہوتی ہے اور تخمینہ اور انداز لگانے میں غلطی ہوسکتی ہے۔ برخلاف مکاشفہ کی تیسری قسم کے کہ اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کے علوم غلطی سے پاک وصاف ہوتے ہیں۔ نیز اللہ کے علم میں ماضی، حال واستقبال تینوں زمانے برابر ہیں اور حضرات انبیاء کا علم چونکہ ماخوذ ومستنبط ہوتا ہے، علم الٰہی سے اس لئے اس میں کسی خطاء یا غلطی کا کوئی احتمال یا امکان نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا گنگوہی کا ایک ملفوظ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے ایک استاذ کے حوالہ سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو دنیا کا بنانا ہو اور دین سے دور کرنا ہو اس کو طبیبوں کے سپرد کردو اور جس کو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے دور کرنا ہو اس کو صوفیاء کے سپرد کردو اور جس کو دین ودنیا دونوں سے دور کرنا ہو اس کو شاعروں کے سپرد کردو۔ اس پر ایک بزرگ نے سوال کیا کہ حضرت! اگر دونوں کا بنانا ہو تو اس کو کس کے سپرد کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے اور اس کے بعد یہ شعر سنایا ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
این خیال است و محال است و جنوں

مامی کنیم، مامی کنیم، مامی کنیم

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

خواجہ احمد جام ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں جو صاحب کشف و کرامت ہونے کے ساتھ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت اپنے نابینا بچہ کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ درخواست کیا کہ حضرت یہ بچہ نابینا ہے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیجئے تا کہ اس کی بینائی واپس آجائے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرے ہاتھ پھیرنے سے بینائی واپس آجائے وہ عورت اصرار کرتی رہی اور حضرت بار بار یہی جواب دیتے رہے۔ بالآخر اس کے اصرار سے تنگ آکر مجلس سے باہر نکل گئے کچھ دور جانے کے بعد یہ الہام ہوا کہ تم ''کون، اور عیسیٰ کون، اور موسیٰ کون بینائی دینا اور نہ دینا میرا کام ہے، خیریت اسی میں ہے کہ واپس جا اور اس بچہ کی آنکھ پر ہاتھ پھیر اور یہ آواز آئی کہ مامی کنیم۔ چنانچہ یہی جملہ دہراتے ہوئے۔ مامی کنیم، مامی کنیم، مامی کنیم۔ واپس آئے اور بچہ کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا اور بچہ کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ امت کے پریشان حال لوگ اگر اپنی کوئی پریشانی لے کر آپ کے پاس آئیں اور دعاء کی

درخواست کریں تو ان کے لئے ضرور دعاء کر دینی چاہئے، آپ کا کام صرف دعاء کرنا ہے اور اس پریشانی کو دور کرنا یا نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ آپ یہ سوچ کر کسی کو واپس نہ کریں کہ میں تو اس لائق و قابل نہیں ہوں، میرے دعاء کرنے سے کیا فائدہ اس لئے کہ قابلیت اور قبولیت دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب کا ایک ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جب یہ خادم دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا اور حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں رہا کرتا تھا، اس وقت حضرت مفتی صاحب نے اس خادم سے کئی مرتبہ فرمایا کہ حبیب اللہ تعویذ کی میری ایک کاپی ہے اس کو نقل کرلو، لیکن یہ خادم حضرت کی اس بات کو ان سنی کرتا رہا، چونکہ تعویذ گنڈوں کے کام سے کوئی مناسبت نہیں تھی بلکہ یہ کہا جائے کہ وحشت تھی تو غلط نہیں ہوگا۔

لیکن جب حضرت مفتی صاحب نے کئی مرتبہ کہنے کے بعد اس خادم کی عدم دلچسپی دیکھی تو ایک دن بلا کر فرمایا کہ حبیب اللہ جب فارغ ہو کر کام کے میدان میں جاؤ گے تو تم کو مختلف انداز کے کام کرنے پڑیں گے، کوئی کہے گا کہ نماز پڑھا دیجئے تو نماز پڑھانا پڑے گا، کوئی کہے گا کہ جمعہ پڑھا دیجئے تو جمعہ بھی پڑھانا پڑے گا، کوئی

کہے گا کہ وعظ کہہ دیجئے تو وعظ بھی کہنا پڑے گا، کوئی کہے گا کہ یہ مسئلہ بتا دیجئے تو چونکہ مفتی ہو اس لئے مسئلہ بھی بتانا پڑے گا اسی طرح کوئی پریشان حال بھی آئے گا اور وہ اپنی پریشانی کے لئے تم سے دعاء کرانا چاہے گا، یا تعویذ مانگے گا اگر تمہاری دعاء کر دینے سے یا تعویذ دے دینے سے کسی پریشان حال کی پریشانی دور ہو جائے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ بات اتنے درد کے ساتھ اور ایسے لہجہ میں کہی کہ اس خادم کا بھی دل نرم پڑ گیا اور اس گفتگو سے متاثر ہو کر حضرت کی عملیات کی کاپی سے عملیات و تعویذات کو نقل کرنا شروع کر دیا، لیکن کچھ ہی صفحات نقل کر پایا تھا کہ بالتدریج یہ تاثر زائل ہو گیا اور نقل کا سلسلہ موقوف ہو گیا، تا آنکہ حضرت مفتی صاحب نے کچھ دنوں کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تعویذ کی فوٹو کاپی ایک واقعہ سنانے کے بعد اس خادم کے سپرد فرمایا۔

تعویذ کی کاپی کے گم ہونے کا واقعہ

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے فرمایا کہ یہ تعویذ کی وہ کاپی ہے جس میں مختلف انواع کے عملیات و تعویذات میں نے اپنے قلم سے لکھے ہیں اور اس میں زیادہ تر تعویذات وہ ہیں جن کو میں نے اپنے اکابر اور بزرگوں سے حاصل کیا ہے اور جن کو اکثر میں لکھ کر دیا کرتا ہوں۔

لیکن یہ کاپی ایک مرتبہ اچانک گم ہو گئی میں بہت پریشان ہوا، بسیار جستجو کے

باوجود نایافتگی ہی ہاتھ لگی، اس کے بعد صبر کر کے انا للہ پڑھ کر میں بیٹھ گیا، کافی عرصہ کے بعد جب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے پاس معمول کے مطابق جمعرات کو جانا ہوا تو حضرت شیخ نے بلا کر تعویذ کی کاپی یہ کہتے ہوئے مجھ کو دیا کہ چند روز ہوئے مولانا اسعد صاحب مدنی آئے تھے، انہوں نے یہ کہتے ہوئے میرے حوالے یہ کاپی کی کہ میں ساؤتھ افریقہ گیا ہوا تھا، وہاں میرے ایک دوست نے یہ کاپی لاکر مجھ کو دیا، تحریر دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ کاپی مفتی صاحب کی ہے اس کے بعد اس کاپی کی بڑی شہرت ہوگئی اور میرے تک پہونچنے سے پہلے بہت لوگوں نے اس کی فوٹو کاپی کرا کے اپنے پاس رکھ لیا۔

اس واقعہ کے سنانے کے بعد اس خادم نے عرض کیا کہ لگتا ہے کہ اجنہ اس کاپی کو اٹھا کر لے گئے، یہ سن کر حضرت مفتی صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب عامل نہیں تھے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ضرورتمندوں اور خواہشمندوں کو حسب ضرورت و خواہش تعویذ ضرور دیا کرتے تھے اور بعض چیزوں کی تعویذ ان کی بہت مشہور بھی تھی، بعض اکابرین بھی تعویذ کے لئے اپنے متعلقین کو ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے چونکہ آپ کی تعویذ بہت بااثر ہوا کرتی تھی بلکہ بااثر ہونے کے ساتھ زود

اثر بھی ہوتی تھی جس کی وجہ سے عوام کے ساتھ خواص میں بھی یہ مشہور تھا کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی عامل بھی ہیں، لیکن جب اس خادم نے ایک مرتبہ اس سے متعلق سوال کیا کہ حضرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ عرفی عامل بھی ہیں تو حضرت نے صراحتاً نفی میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں عامل نہیں ہوں۔

البتہ جب کوئی ضرورت مند آتا ہے اور تعویذ کے لئے کہتا ہے تو اس کو تعویذ دے دیا کرتا ہوں، اگر میری تعویذ سے کسی کی ضرورت پوری ہو جائے اور کسی کا مسئلہ حل ہو جائے اور کسی پریشان حال کی پریشانی دور ہو جائے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی بھی عامل نہیں تھے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی بھی تعویذ بہت مشہور تھی، ہندو مسلم سب ان سے تعویذ لیا کرتے تھے، اور سفر و حضر میں تعویذ لینے والوں کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ خادم چار مہینہ مسلسل حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی خدمت میں رہا، اس وقت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ باندہ سے ہتھورا جتنی بسیں آتی تھیں اس میں درجنوں لوگ تعویذ کے لئے آیا کرتے تھے، ذاتی سواری سے آنے والے مزید برآں ہوتے تھے، تعویذ لینے والوں کی اتنی بھیڑ ہوا کرتی تھی کہ حضرت کے لئے ذاتی کام کرنا اور سبق پڑھانا مشکل ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ اس خادم نے حضرت قاری صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سحر و آسیب کے دفعیہ اور ازالہ کے لئے ۲۱۵۶۲ / اکیس ہزار پانچسو باسٹھ کی مثلث تعویذ اکثر دیا کرتے تھے جس کو یہ خادم لکھا کرتا تھا، یہ سننے کے بعد حضرت نے پابندی کے ساتھ یہ تعویذ دینا شروع کر دیا، پھر حال یہ ہوا کہ خالی اوقات میں سیکڑوں تعویذ میں لکھ کر اپنے پاس رکھتا اور جب تعویذ لینے والے آتے تو حضرت مہمان خانہ میں اس خادم کے پاس تشریف لاتے اور لکھی ہوئی تعویذ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیتے اور حسب ضرورت ضرورتمندوں کو موڑ کر دیتے رہتے۔

کئی مرتبہ سفر میں بھی حضرت قاری صاحب کے ساتھ اس خادم کو رہنے کی سعادت ملی، جس اسٹیشن پر گاڑی رکتی تعویذ لینے والوں کی لائن لگ جایا کرتی تھی، اگر ٹرین کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ہوتے تو وہاں بھی تعویذ لینے والوں کی بھیڑ جمع ہوجاتی تھی۔

حضرت قاری صاحب کے بارہ میں بھی یہ مشہور تھا کہ حضرت عامل ہیں۔

چنانچہ اس خادم نے ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب سے صراحۃً دریافت کیا کہ حضرت آپ کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ عامل ہیں۔

کیا یہ صحیح ہے؟

حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ، میں عامل نہیں ہوں یعنی عرفی عامل ہونے کی صراحۃً نفی فرمائی، ہاں لوگ اپنی ضرورت کے لئے تعویذ مانگتے ہیں تو میں تعویذ دے دیا کرتا ہوں۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی نصیحت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی بہت سادہ مزاج، خورد نواز، متواضع، خاموش طبع کم گو، ذاکر وشاغل، ولی اللہ، اور عارف باللہ تھے۔ سفر وحضر میں لنگی اور کرتا سر پرٹوپی اور کندھے پر رومال آپ کا لباس تھا۔ جب سفر میں آپ تشریف لے جاتے تو ایک معمولی سا تھیلا آپ کے ساتھ ہوتا جس میں کوئی ایک کتاب اور خطوط ہوتے اور چھوٹے بڑے سفر کے اعتبار سے کبھی صرف ایک عدد لنگی اور ایک عدد کرتا اس میں ہوتا تھا۔

کئی مرتبہ حضرت قاری صاحب کی معیت و رفاقت میں سفر کی نوبت آئی آپ سفر میں زبانی قرآن کریم کی تلاوت کے عادی تھے، اس سے فارغ ہوتے تو خطوط کے جوابات لکھتے یا لکھواتے، سفر وحضر میں اس خادم نے بھی حضرت کے بہت سارے خطوط کے جوابات لکھے ہیں۔

حضرت کے خطوط کے جوابات بہت مختصر اور جامع ہوا کرتے تھے، عموماً خطوط میں انابت اور رجوع الی اللہ کی تلقین کے ساتھ صبر وتحمل کی ترغیب ہوتی تھی اور استقامت کی تحریص کے ساتھ دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا تھا، سفر میں بھی عموماً حضرت کا لباس لنگی ہی ہوا کرتا تھا، کبھی کبھار پائجامہ زیب تن فرمایا کرتے تھے، ایک عام انسان کی طرح بغیر کسی تصنع اور تکلف کے زندگی گزارنا پسند فرماتے تھے، سفر وحضر میں کھانے

پینے کا معمول بھی بہت موٹا جھوٹا تھا، عام طور پر موٹی روٹی ساگ سبزی پسند کرتے تھے، مرغن غذاؤں سے گریز کرتے تھے اور کھانے کی مقدار بھی بہت کم تھی۔

ایک سفر میں حضرت قاری صاحب نے اس خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب جب سفر میں جایا کریں تو لباس بھی موٹا جھوٹا ہلکا پھلکا پہن کر نکلا کریں اور سامان رکھنے کے لئے اٹیچی یا بیگ بھی بہت معمولی اور ہلکی پھلکی رکھا کریں، اچھا لباس واچھی اٹیچی و بیگ لوگ دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے اور چور پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ کپڑا بھی ہلکا پھلکا ہو موٹا جھوٹا ہو اور اٹیچی و بیگ بھی پرانی دھرانی ہو۔

اسی طرح جب سفر میں نکلیں خواہ مدعو بن کر جائیں یا داعی بن کر واپسی کا کرایہ ضرور اپنے ساتھ رکھیں تاکہ واپسی میں کرایہ کی کمی یا نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے سامنے دست درازی نہ کرنی پڑے۔

مانی کلاں کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے طالب علمی کے زمانہ میں تعویذ کی کاپی لکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے جو علت غائیہ بیان کی تھی اس کی تصدیق اس وقت ہوئی جب فراغت کے بعد یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور پہونچا۔

ریاض العلوم گورینی کی تدریس کا اس خادم کا دوسرا یا تیسرا سال تھا مشکوۃ شریف کے طلباء کی دو کتابیں اس خادم کے ذمہ تھیں جلالین شریف اور مشکوۃ شریف، اس درجہ میں شریک طلباء میں دو طالب علم مانی کلاں ضلع جونپور کے تھے ایک کا نام عبدالحنان اور دوسرے کا نام شہنواز تھا یہ دونوں بھائی مانی کلاں کے سرکردہ ومعروف شخصیات مناسر کار ومنا سردار کے بھائی تھے، عبدالحنان کئی روز غیر حاضر رہے اسکے بعد جب آئے تو بہت اداس تھے، سبق کے بعد اس خادم نے تنہائی میں بلا کر اداسی کی وجہ پوچھی، تو روتے ہوئے عبدالحنان نے داستان غم سنایا کہ میرے بھائی نے بھادوں کے راستہ میں ایک بھٹہ کھولا ہے، ہفتہ دس دن پہلے اس میں آگ لگائی ہے ایک ٹرک سے زیادہ لکڑی جل چکی ہے، لیکن آگ آگے نہیں بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے بڑے بھائی اور پورا گھر بہت پریشان ہے، اس طالب علم کی اداسی کے بعد اس وقت داستان غم کو سننے کے بعد خادم کو بھی بڑا تاثر ہوا اس کے بعد اس سے کہا کہ کل ایک گیلن میں پانی لے کر آنا۔

چنانچہ کل ہوکر وہ طالب علم ایک گیلن میں پانی لے کر آیا اس خادم نے کچھ آیات اور دعائیں پڑھیں اور پانی پر دم کر دیا اور دم کیا ہوا پانی یہ کہہ کر عبدالحنان کے حوالہ کیا کہ بھٹہ کے جس منہ پر لکڑی جل رہی ہے، اس پر یہ پانی لے جا کے چھڑک دینا۔ چنانچہ شام کے وقت پانی لے جا کر فوراً اس نے بھٹہ کے منہ پر چھڑکا جس کے بعد آگ فوراً تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور سب میں بے پناہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

کل ہوکر عبدالحنان پوری بشاشت کے ساتھ پڑھنے کے لئے آیا اور پانی چھڑکنے اور آگے کے بڑھنے کا پورا واقعہ سنایا، اس بچہ کی اس پریشانی کے ازالہ پر خادم

نے اللہ کا شکر ادا کیا، تعویذ اور دعاء کی لائن کا یہ پہلا عمل تھا جو گورینی پہونچنے کے بعد اس خادم نے کیا اور اس وقت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی کہی ہوئی بات خوب یاد آئی کہ ایک پریشان حال بندہ کی پریشانی دور کرنے کا اللہ نے مجھ کو ذریعہ بنادیا۔

لیکن جس طرح بھٹہ کی بندھی ہوئی آگ بڑھی اور پورے بھٹے میں پھیل گئی اور اینٹ کی پکائی شروع ہوگئی، اسی طرح پورے علاقہ میں آگ کی طرح یہ خبر بھی پھیل گئی کہ گورینی کے مفتی صاحب جہاں ایک کامیاب مدرس اور خوشنویس محرر اور خوش الحان حافظ وقاری اور شیریں کلام خطیب وواعظ ہیں، وہیں با اثر تعویذ کے عامل بھی ہیں۔

چونکہ مناسر کار و سردار مانی کلاں کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور پہلی مرتبہ انہوں نے بھٹہ کھولا تھا اور آگ کی بندش کی خبر بھی علاقہ میں پھیل چکی تھی، جب آگ کی بندش ختم ہوئی اور آگ پورے بھٹہ میں پھیل گئی تو اس کی خبر بھی علاقہ میں پھیلی اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی پھیلی کہ گورینی کے مفتی صاحب کی دعاء کی برکت سے آگ کی بندش کھل گئی۔

اس طرح اس خادم کا یہ راز فاش ہوگیا کہ میں تعویذ اور دعاء کا کام بھی کرتا ہوں، لیکن اس شہرت کے باوجود میں نے اس کو اپنا کام نہیں بنایا بلکہ اپنے اس کام میں لگا رہا، یعنی درس وتدریس جس کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا تھا، ہاں البتہ کبھی کبھار بہت مجبوری میں کوئی خاص آدمی آجاتا تو اس کو تعویذ دے دیا کرتا تھا، لیکن اس تعویذ اور دعاء کا اثر یہ ہوا کہ عبدالحنان اور اس کے پورے گھر والے اس خادم سے قریب اور مانوس ہوگئے اور اس کے بعد دسیوں ٹرالی انہوں نے اینٹ کا ٹکڑا مدرسہ ریاض العلوم گورینی

کو دیا جو مانی کلاں سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں آنے والا پہلا چندہ تھا جو صدر گیٹ اور مسجد کے دکھن طرف روڈ پر اور مدرسہ کے گیٹ سے لے کر حضرت مولانا کے دروازہ تک مستری لگا کر بچھایا گیا اور اس طرح وہ مٹی والی سڑک پختہ ہوگئی اور لوگوں کو آنے جانے میں سہولت ہوگئی۔

مانی کلاں میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا پہلا چندہ

عبد الحنان اور اس کے خاندان کے تعلق کا اثر یہ ہوا کہ جب ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری نے یہ اعلان کیا کہ مدرسہ کا بجٹ فیل ہوگیا ہے، سبھی حضرات علاقہ کے چندے میں لگ جائیں۔ چنانچہ یہ خادم بھی چندہ میں لگا، جس کا تذکرہ ان شاء اللہ کسی اور موقعہ پر آئے گا۔ اس اعلان کے بعد مانی کلاں بھی جانا ہوا اور اس تعلق کا فائدہ یہ ہوا کہ عبد الحنان کے گھر والوں نے بھی دل کھول کر مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا تعاون کیا اور قصبہ کے دوسرے اہم لوگوں سے بھی ملاقات کرا کر بھی چندہ دلوایا اور ایک معقول رقم لے کر جب حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا کو بہت خوشی ہوئی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب، آپ نے تو مانی کلاں کو فتح کر دیا مانی کلاں چھوڑ کر گورینی آنے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم کا یہ پہلا چندہ ہے جو آپ نے کیا ہے اور اس کے بعد خادم کو بہت دعاؤں سے نوازا۔

باوجودیکہ مانی کلاں کے اس خاندان سے میرے تعلق کا فائدہ مدرسہ ریاض العلوم ہی کو پہونچا کہ دس ٹرالی اینٹ انہوں نے مدرسہ کو دیا چندہ دیا، چندہ کرایا، مدرسہ سے اور حضرت مولانا سے قریب ہوئے لیکن اس خادم کی اس خاندان سے قربت پر اس وقت کے مدرسہ کے نائب ناظم کو بہت تکلیف ہوئی اور اس کا اظہار انہوں نے اس وقت کیا۔

جب مدرسہ میں رمضان المبارک میں معتکفین کی راحت کے لیے ایک صاحب نے ٹھنڈے پانی کی مشین لگائی، جس کی شہرت جب علاقہ میں ہوئی اور گورینی چوکیہ قرب وجوار کے لوگ افطاری سے پہلے ٹھنڈا پانی لے جانے لگے تو اس خادم نے عبدالحنان کو بھی اس کی اطلاع کی کہ مدرسہ میں ٹھنڈے پانی کی مشین لگی ہے، سب لوگ لے کے جارہے ہیں تم بھی آکر لے لو۔ چنانچہ جب وہ گیلن لے کر پانی لینے آیا تو عصر کے بعد اس مشین کے قریب بیٹھا ہوا یہ خادم قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور اسی کے قریب نائب ناظم بھی بیٹھے ہوئے تھے، جب عبدالحنان کو پانی بھرتے ہوئے دیکھا تو بہت تلخ لہجہ میں اس کو دیکھ کر مجھ کو مخاطب کر کے کہا کہ ہاں، ہاں، ٹھنڈا پانی دے دیجئے وقت پر کام آئیگا، حالانکہ اس خادم نے جو نفع پہونچایا اور پہونچا وہ مدرسہ ہی کو ملا خود ذاتی کوئی نفع کبھی نہیں اٹھایا اسکے باوجود حسد کی وجہ سے وہ جملہ وہ بول پڑے جو بولنا نہیں چاہئے تھا۔

جمد ہاں کے بدرالدین بھائی کا واقعہ

کھیتا سرائے کے قریب جمد ہاں نامی ایک گاؤں ہے، جو شرفاء اور دین داروں

کی بستی ہے، جہاں کے رہنے والے بزرگوں سے تعلق ومحبت رکھتے ہیں، اسی بستی میں بدرالدین نام کے ایک صاحب تھے جو طبیعتاً بہت نیک اور شریف تھے، اس خادم سے بھی ان کا لوجہ اللہ اچھا تعلق تھا، ان کا ایک بھٹہ تمہا کے قریب نہر کے اس پار چلتا تھا، ایک مرتبہ وہ آئے ملاقات ہوئی لیکن کافی پژمردہ نظر آئے، ان کی اداسی دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا، ان سے اس پژمردگی اور اداسی کی وجہ پوچھ ڈالی، انہوں نے بہت مشکل سے اس کی وجہ بتائی، چونکہ وہ خاموش طبیعت اور کم گو تھے لیکن جب میں نے اصرار کیا تو کہنے لگے کہ مفتی صاحب میرا ایک بھٹہ ہے، اس کے ایک مسئلہ سے میں بہت پریشان ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ اینٹ بنانے والے جب اینٹ بنا کر سوکھنے کے لئے رکھتے ہیں تو دوسرے دن اینٹ کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ سے کافی نقصان ہو رہا ہے، چونکہ بھٹہ والے سے صحیح سالم اینٹ مانگتے ہیں اور میرے یہاں صرف ٹکڑا ہے، ان کی مایوسی دیکھ کر اس خادم کو بھی بہت ترس آیا اور ان سے میں نے کہا کہ ایک گیلن میں کل پانی لے کر آئیں۔ چنانچہ کل ہو کر جب وہ پانی گیلن میں لے کر آئے تو مجھ کو جو کچھ پڑھنا تھا، پڑھنے کے بعد پانی پر دم کر دیا اور ایک تعویذ بھی لکھ کر اس میں ڈال دیا اور ان سے کہا کہ اس پانی کو لے جائیں اور جتنے علاقہ میں آپ کا بھٹہ چل رہا ہے پورے میں اس پانی کو چھڑک دیں، خاص طور پر وہ جگہ جہاں اینٹ بنتی ہے اور اس کی مٹی رکھی ہوئی ہے، اور جہاں اینٹ سکھائی جاتی ہے، پانی چھڑکنے کے بعد پھر جو کیفیت وہاں آپ کو نظر آئے وہ آ کر مجھ کو بتائیں۔

چنانچہ پانی لے کر انہوں نے پورے بھٹے کے احاطہ میں چھڑکا اور اس کے بعد واپس آ کر بتایا کہ پانی چھڑکنے کے بعد ہوا کا ایک بونڈر بنا اور گولائی میں اوپر کو گیا اس کے بعد غائب ہو گیا اس کے بعد خادم نے ان سے عرض کیا کہ جائیے اب انشاء اللہ کل سے آپ کی اینٹ نہیں ٹوٹے گی، چنانچہ کل ہو کر اینٹ کا ٹوٹنا بند ہو گیا، اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کئی ٹرالی اینٹ مدرسہ ریاض العلوم کو انہوں نے ہدیہ میں پیش کیا۔

اس خادم کا معمول

اس طرح اس خادم کو کچھ خواص کی دعاء تعویذ کی لائن سے خدمت کرنی پڑی اور پریشان حال کی پریشانی دیکھ کر مجبوراً کام کرنا پڑا۔ لیکن کبھی بھی تعویذ پر اجرت یا معاوضہ کا نہ مطالبہ کیا اور نہ ہی بلا طلب دینے کے بعد قبول کیا، بلکہ اصرار وخواہش کے باوجود واپس کر دیا، اگر مدرسہ میں بھی دینا چاہا تو قبول نہیں کیا، یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ سال دو سال کے بعد جب آپ کا دل چاہے گا کسی ذریعہ سے مدرسہ کو پہونچا دیجئے گا، لیکن تعویذ دینے کے بعد اپنے لئے یا مدرسہ کے لئے پیسہ یا کوئی ہدیہ لینے کا معمول نہیں رہا، اس لئے یہ خادم ہر ایک سے معذرت کر لیتا۔

ملیشیا کا ایک واقعہ

۱۹۹۴ء میں پہلی مرتبہ سنگا پور ملیشیا اور بورنائی جانا ہوا جب ملیشیا پہونچا تو

چتارہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک حافظ صاحب ملے جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے آشنا تھے، ملاقات کے بعد خاطر مدارات کی تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا کہ مفتی صاحب جب آپ ملیشیا آئے تو مجھ کو معلوم ہو گیا تھا اور میں شدت سے آپ کا منتظر تھا، آج الحمدللہ ملاقات ہوگئی۔

خادم نے ان سے عرض کیا کہ حافظ صاحب خیریت تو ہے، انہوں نے بتلایا کہ ایک عورت ہے جو اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے، لیکن وہ اس وقت بہت پریشان ہے بار بار وہ مجھ کو فون کرتی رہتی ہے، جب سے آپ کی آمد کی اطلاع مجھ کو ملی کہ آپ آئے ہوئے ہیں، میں ان کو تسلی دے کر روکتا رہا کہ ہندوستان سے ہمارے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں، یہاں جب وہ آئیں گے تو میں تمہارا مسئلہ ان سے کہہ کر حل کی کوئی شکل نکلواؤں گا۔

اس خادم نے ان سے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے حافظ صاحب نے بتلایا کہ اس عورت نے محبت میں شادی کی تھی، اس کا شوہر اس کو چھوڑ کر اچانک غائب ہو گیا اس کو غائب ہوئے کئی ماہ ہو چکے ہیں اس عورت نے اپنے ذرائع سے اس کو بہت تلاش کیا، لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں لگ سکا، اس کے بغیر یہ عورت نہیں رہ پا رہی ہے، اس کی محبت میں یہ ماہی بے آب بنی ہوئی ہے۔ اس مسئلہ کا حل اگر آپ نکال سکتے ہوں تو نکال دیں۔

حافظ صاحب کی بات سننے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اس عورت کو بلائیے۔ چنانچہ حافظ صاحب نے اس کو فون کیا اور تھوڑی دیر میں وہ گاڑی سے حاضر ہوگئی، آنے کے بعد مجھ کو دیکھ کر بے تحاشا رونے لگی، اس کے گریہ و بکاء کو دیکھ کر بہت

ترس آیا اور خادم نے اس کے شوہر کی واپسی کی ترکیب کر کے اس کے سپرد کیا، پورب کی طرف رخ کر کے خادم پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا، سامنے حافظ صاحب تھے، پلنگ کے غربی جانب دو تکیہ میری کمر سے لگا ہوا تھا اور اسی کے پاس کمرہ کا دروازہ تھا اس دروازہ کے پاس وہ عورت بیٹھی ہوئی تھی، تعویذ لے کر جب وہ عورت چلی گئی تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ تکیہ کے نیچے اس نے ہاتھ بڑھا کر کچھ رکھا ہے، اس کے جانے کے بعد جب تکیہ اٹھایا تو ملیشیا کی دس ہزار کرنسی تھی، میں نے حافظ صاحب کو کہہ کر اس عورت کو بلوایا اور وہ پیسے اسکو واپس کئے اس نے قبول کرنے کے لئے بہت اصرار کیا، میں نے شرط لگادی کہ اس شرط پر قبول کرسکتا ہوں کہ میری دی ہوئی تعویذ واپس کردو اخیر میں وہ رونے لگی اور حافظ صاحب بھی اس کی تائید میں اصرار کرنے لگے، اخیر میں اس نے کہا کہ مدرسہ ہی کے لئے رکھ لیں، میں نے کہا کہ تعویذ دینے کے بعد مدرسہ کے لئے بطور چندہ کے بھی پیسہ نہیں لیتا، اس لئے یہ پیسہ واپس لے جانا ہوگا۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مہینوں سے جو شوہر اس کا مفقود الخبر تھا دو دن کے بعد واپس آ گیا۔

لندن کا ایک واقعہ

۲۰۰۰ء میں جب پہلی مرتبہ لندن جانا ہوا تو ڈیوز بری میں حضرت مولانا یعقوب صاحب قاسمی کے مکان پر ایک عرصہ قیام رہا جو اس خادم کے داعی اور میزبان تھے۔

ایک دن حضرت مولانا یعقوب صاحب کی ملاقات کے لئے ان کے ایک سمدھی آئے، میں خاموش ایک کونہ میں بیٹھا ہوا تھا، دونوں حضرات نے کچھ دیر بات کی اس کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مفتی صاحب! یہ میرے سمدھی ہیں، میرا ایک بچہ ان کی بچی سے منسوب ہے، یہ یہیں ڈیوز بری میں مرکز کے پاس رہتے ہیں، ان کی ایک بچی کی شادی بلیک برن میں ہوئی ہے، وہ کئی ماہ سے بہت پریشان ہیں، بہت علاج کرایا لیکن ٹھیک نہیں ہورہی ہے۔ کبھی رات میں دو بجے کبھی ایک بجے ان کا داماد ان کو فون کرتا ہے اور بچی کی وجہ سے ان کو رات میں بھاگ کر وہاں جانا پڑتا ہے، اگر آپ کے پاس کوئی تدبیر ہو تو کردیں بڑی مہربانی ہوگی۔

خادم نے ان کی بات سننے کے بعد عرض کیا کہ مجھ کو اس بچی کے مکان پر جانا پڑے گا، چنانچہ حضرت مولانا نے گاڑی اور رہبر کا انتظام کیا اور کل ہوکر ان کے سمدھی کے ساتھ بلیک برن ان کے سمدھی کی بیٹی کے مکان پر پہونچا، پہونچنے کے بعد بیماری کی تشخیص کی اور دواء علاج بتا کر واپس آگیا، اس کے بعد الحمد للہ وہ بچی مکمل ٹھیک ہوگئی، ادھر ایک عرصہ کے بعد یہ خادم اپنے پرانے دوست مولانا مبارک علی صاحب بارہ بنکوی کے پاس ٹورڈ مارڈن چلا گیا اور وہاں تقریباً ایک مہینہ قیام رہا۔ اسی درمیان بلیک برن سے ایک صاحب پہونچے اور بتلایا کہ میری بچی کا یہ حال ہے اس کے علاج کے لئے آپ کے پاس آنا ہوا ہے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم کہ میں دعاء تعویذ کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنی بچی کی بیماری کو لے کر کئی ماہ سے پریشان تھا، ایک دن اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی، اس کی پریشانی کو دیکھ کر

علاج کی تلاش میں میں گھر سے نکلا اور بلیک برن کے دار العلوم میں پہونچا۔

جب میں دار العلوم پہونچا جونہی گیٹ سے اندر داخل ہوا تو مولانا الیاس صاحب جو وہاں کے استاذ تھے اور مسجد ہدایہ ملہم اسٹریٹ کے امام بھی تھے جن سے میری پرانی شناسائی تھی، وہ دار العلوم سے سبق پڑھا کر گھر جا رہے تھے، میرے اداس چہرے کو دیکھ کر سلام و مصافحہ کے بعد رک گئے اور پوچھا کہ حاجی صاحب کیا بات ہے؟ کیوں اداس ہیں؟ میں نے اپنی بچی کا پورا واقعہ سنایا اور کہا کہ کسی معالج کی تلاش میں یہاں آیا ہوں، مولانا الیاس صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہاں علاج کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ البتہ ہندوستان سے کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں، ان کا آپ پتہ لگا کر ان سے آپ ملاقات کیجئے اور انہوں نے ہی بتلایا کہ میری مسجد کے پڑوس میں ادریس نام کا ایک لڑکا رہتا ہے، اس کی بیوی بھی بہت دنوں سے پریشان تھی، اسی بزرگ کے علاج سے وہ ٹھیک ہوگئی اور اب ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے۔

چنانچہ مولانا الیاس صاحب کے بتلانے کے بعد میں ادریس سے ملا، ادریس نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے اور سچ اور درست ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتے ہیں، میرے پاس تو میرے خسر لے کر آئے تھے۔

چنانچہ ان کے خسر کا پتہ لے کر ڈیوزبری میں گیا، ملاقات کے بعد ان کے خسر نے بتایا کہ وہ بزرگ میرے سمدھی حضرت مولانا یعقوب صاحب قاسمی کے پاس آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں حضرت مولانا کے پاس پہونچا، حضرت مولانا نے بتلایا کہ آپ ٹورڈ مارڈن میں مولانا مبارک علی صاحب کے پاس ہیں، اس طرح میں آپ

کے پاس یہاں پہونچا، اس کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب قاسمی کا سفارشی خط بھی اس خادم کے پاس آیا۔ چنانچہ مجبوراً خادم کو ان کے ہمراہ بلیک برن جانا پڑا، جانے کے بعد بیماری کی تشخیص کی اور علاج ان کو دیا، علاج کے بعد وہ بچی مکمل ٹھیک ہوگئی۔

اس کے بعد خوش ہوکر ایک مرتبہ ہدیہ کی رقم لے کر آئے، میں نے اس کو واپس کردیا، بہت اصرار کے بعد بھی قبول نہیں کیا، اخیر میں وہ کہنے لگے کہ مدرسہ کے لئے قبول فرمالیں، میں نے مدرسہ کے لئے بھی قبول نہیں کیا، ان سب واقعات کے سنانے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے فرمانے کے مطابق مجبوری میں یہ خدمت بھی کرنی پڑی، لیکن اس کو خواص تک محدود رکھا اور اس پر کوئی ہدیہ اور نذرانہ کبھی بھی قبول نہیں کیا اور الحمد اللہ آج پینتالیس سال ہو چکے ہیں، اس معمول پر یہ خادم قائم ہے اللہ نہ کرے کہ یہ معمول کبھی ٹوٹے۔

اس خادم کا یقین یہ ہے کہ تعویذ پر اجرت لینا، اگرچہ فی نفسہ جائز ہے، لیکن اجرت اور معاوضہ لینے سے اس کی تاثیر متاثر ہوتی ہے، اپنے بزرگوں نے بھی تعویذ دیا ہے، لیکن ان کا معمول اجرت لینے کا نہیں رہا، بلکہ فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب طوبیٰ کے درخت ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی ایک مرتبہ پانی کے جہاز سے حج کے لئے تشریف

لے جارہے تھے، کسی ضرورت سے جہاز یمن کی بندرگاہ پرٹھہر گیا اور معلوم ہوا کہ یہ جہاز یہاں پر کئی روز ٹھہرے گا، اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بندرگاہ کے قریب ایک بستی ہے جہاں ایک معمر عالم اور محدث رہتے ہیں، آپ موقعہ کو غنیمت سمجھ کر ان سے ملاقات کے ارادہ سے اس بستی میں پہونچ گئے، آپ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی تو انہوں نے سوال کیا کہ تم نے حدیث کس سے پڑھی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے پھر ان سے پوچھا کہ ان کے استاذ کون تھے، آپ نے فرمایا شاہ اسحاق صاحب پھر پوچھا ان کے استاذ کون تھے تو آپ نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی جب آپ نے ان کا نام سنا تو فرمایا کہ ہاں اب تم کو سند دے دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب طوبیٰ کے درخت ہیں اور جہاں جہاں طوبی کی شاخیں پہونچیں ہیں وہاں وہاں جنت ہے اور جہاں ان کی شاخیں نہیں پہونچیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے، یعنی جہاں جہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ پہونچا ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں پہونچا وہاں جنت نہیں، یہ کہہ کر اس معمر عالم محدث نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو حدیث پاک کی سند دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کے خاندان نے حدیث پاک کی کتنی عظیم خدمت انجام دی ہے، کہاں یمن اور کہاں ہندوستان، لیکن وہاں تک آپ کی حدیث پاک کی خدمت کی شہرت تھی اور اس کا تذکرہ تھا اور یہ بہت بڑی بات ہے جو یمن کے معمر بزرگ نے کہی اور غالباً یہ بات ان کے

مکاشفہ پر مبنی رہی ہو، اس لئے انہوں نے اس کا تذکرہ کیا جو حضرات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے بالواسطہ یا بلا واسطہ تحصیل علم حدیث کی نسبت رکھتے ہیں ان کے لئے یہ بات بہت سعادت کی ہے اور فخر کی، اور جو لوگ اس نعمت عظمی سے محروم ہیں ان کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے، بالخصوص وہ لوگ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور حدیث کی خدمت کا بہت لمبا چوڑا دعویٰ کرتے ہیں وہ لوگ اس مکاشفہ کے تناظر میں اپنی اوقات دیکھیں اور سمجھیں کہ وہ کس مقام پر ہیں اور ان کی کیا حیثیت ہے، خالی دعویٰ کر دینے سے کچھ نہیں ہوتا، دنیا اس کی دلیل بھی چاہتی ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا ایک خواب اور اس کی تعبیر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں بیت اللہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں اور میرا چہرہ کوفہ کی طرف ہے اور کوفہ کی طرف سے ایک نہر آرہی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکراتے ہوئے بہہ رہی ہے، یہ خواب دیکھنے کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی بہت پریشان ہوئے اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے بھائی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے یہ خواب اس انداز سے بیان کیا کہ خواب دیکھنے والے کا نام ظاہر نہ ہو اور نہ ہی یہ بتلایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، بلکہ یہ کہہ کر بتلایا کہ ایک شخص نے یہ خواب دیکھا ہے، اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد یعقوب

صاحب نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے اس سے حنفی مذہب کو بہت قوت حاصل ہوگی اور وہ خود بھی پکا حنفی ہوگا، نیز اس کی شہرت بھی بہت ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا انتقال بھی جلدی ہوجائے گا۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ واقعہ بھی یہی ہے کہ حنفیت کو جتنی تقویت دارالعلوم دیوبند کے بانی اور وہاں کے مدرسین اور وہاں کے شیخ الحدیث اور وہاں کے فضلاء سے حاصل ہوئی اور آج بھی ہورہی ہے اتنی تقویت دوسرے اداروں سے حاصل نہیں ہوئی، خواہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ہو یا دارالعلوم ندوۃ العلماء ہو یا دارالعلوم دیوبند کے منہج سے ہٹے ہوئے دوسرے مدارس ہوں۔ اسی طرح غیر مقلدین اور حنفیت سے منحرف فرق ضالہ کا جتنا محقق اور مدلل اور کامل ومکمل حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور فضلاء دارالعلوم دیوبند نے تعاقب کیا اتنا اور ویسا تعاقب کسی نے نہیں کیا، نیز فتنہ قادیانیت اور بریلویت، شیعیت اور آریہ سماج اور عیسائیت کا تعاقب جس انداز سے اور جس لب ولہجہ میں اور جس قوت اور مضبوطی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء اور ان کے تلامذہ در تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وشیخ الحدیث اور فضلاء نے کیا ویسا تعاقب اور پیچھا جو فرق ضالہ کو ان کے گھروں تک پھونچادے اس وقت سے آج تک کسی نے نہیں کیا۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں بلکہ برحق ہے کہ ملک کی آزادی میں بھی دارالعلوم دیوبند اور اس کے سپوتوں نے اور اسکے بانی

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے تلامذہ اور چہیتوں نے جس جنونی انداز سے انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑی اس کی مثال ہندوستان کی دوسری قومیں یا تنظمیں یا تحریکیں یا ادارے یا برادریاں پیش کرنے سے قاصر ہی نہیں بلکہ عاجز ہیں، اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اس ملک کی آزادی کے بعد اس ملک پر جتنا حق غیروں کا ہے اتنا ہی حق دار العلوم دیوبند اور اس کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور اس کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور اس کے اساتذہ اور اس کے فضلاء کا بھی ہے۔ دنیا والے اس حق اور حقیت سے انکار نہیں کر سکتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دن دنیا کے سامنے آجائے، جب علماء اور فضلاء دیوبند اور وابستگان دار العلوم دیوبند یہ شعر گنگناتے ہوئے میدان عمل میں اتر آئیں ۔

سوچا ہے حبیب اب ہم نے ہر حال میں اپنا حق لیں گے
عزت سے جیئے تو جی لیں گے یا جام شہادت پی لیں گے

ارکان اسلام چار ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء اور طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

آج حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی بیان کردہ ایک دقیق بات پیش کرنے جارہا ہوں، اس کو بہت دھیان سے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمایا کہ ارکان اسلام چار ہیں: (۱) نماز (۲) روزہ (۳) حج (۴) زکوۃ۔ لیکن ان چاروں میں دو یعنی نماز اور حج اصل ہیں اور باقی دو یعنی زکوۃ اور روزہ توابع میں سے ہیں۔

کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہ سے ہے اور نماز دراصل اللہ کے دربار اور بارگاہ کی حاضری اور اس کی تعظیم وتکریم اور اللہ سے عرض ومعروض کا نام ہے اور زکوۃ کا تعلق بلا واسطہ ضرورتمندوں محتاجوں اور غرباء وفقراء سے ہے۔

اس کو مثال سے اس طرح سمجھئے جیسے کوئی بادشاہ اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا کچھ لوگوں کو حکم دے اور اس حاضری کے طفیل ان کو کچھ انعامات ونوازشات سے بھی نوازتا رہے، لیکن حاضری کے حکم کے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ میرے دربار میں پانچ وقت حاضری کی برکت سے تمہیں جن انعامات واکرامات ونوازشات گاہ بگاہ ملتے رہتے ہیں اس کا کچھ حصہ ہمارے ان مساکین وفقراء، محتاجین وغرباء رعایا کو بھی دے دیا کرو، جو میرے دربار کے راستہ میں یا اپنے گھربار میں بیٹھے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کے حکم کے مطابق اصل تو دربار کی پانچ وقت کی حاضری ہے اور صدقہ اور خیرات جو دربار کی حاضری کا ماحصل اور ثمرہ ہے وہ اس کے تابع ہے۔

اس مثال سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اصل نماز ہے اور زکوۃ نماز کے تابع ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں جہاں نماز اور زکوۃ کا اقتران ملتا ہے جس سے اصل اور تابع کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے وہیں نماز کے بعد زکوۃ کے ذکر سے زکوۃ کی تابعیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔

چنانچہ پورے قرآن کریم میں تقریباً ۳۳ جگہوں پر اقیموا الصلوۃ و أتوا الزکوۃ کے اقتران کے ساتھ اصل یعنی نماز کا تقدم اور تابع یعنی زکوۃ کا تاخر ترتیب ذکری میں پائیں گے۔

اسی طرح حج اور روزہ میں حج اصل ہے اور روزہ اس کے تابع ہے، چونکہ حج کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہ سے ہے، چونکہ حج میں محبوب حقیقی کے در دولت پر حاضر ہو کر اپنے عشق و محبت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسر شہوت نفس ہے جو مانع ہے، اس عشق و محبت سے اس لئے روزہ کا وقت حج سے پہلے ہے اور حج کا وقت رمضان کے بعد شروع کیا گیا ہے۔ اس کو مثال سے اس طرح سمجھئے جیسے کوئی بادشاہ اپنے دربار کے حاضر باشوں کو کسی جشن شاہی میں شرکت کی اجازت یا دعوت دے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ نہا دھو کر، خوشبو لگا کر صاف ستھرے سفید کپڑے پہن کر ننگے سر فلاں نعرہ لگاتے ہوئے دربار میں حاضر ہوں اور شریک جشن ہوں۔

ظاہر ہے کہ مقصود شرکت جشن ہے، باقی چیزیں اس کے تابع ہیں۔

اسی طرح اصل محبوب حقیقی کے در دولت کی حاضری ہے جس کا نام حج ہے اور روزہ اس کے تابع ہے چونکہ اس سے مقصود تزکیہ باطن ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے جس انداز سے ارکان اربعہ کو سمجھایا ہے وہ یقیناً بہت دقیق اور لطیف ہے اس کو اہل علم و اہل نظر علماء ہی سمجھ سکتے ہیں ہر کس و ناکس کی سمجھ سے یہ باتیں بالاتر ہیں۔

خاص طور پر ان علماء کی سمجھ میں یہ بات جلدی آجائے گی جو اپنے ہی کو اصل

نہ سمجھ کر اپنے کو تابع سمجھتے ہوں اور کسی اللہ والے اور اہل نظر کو اپنا متبوع بنا کر ان کی تابعیت میں اور ان کے زیرِ نظر زندگی گزارنے کے عادی ہوں ع

ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن

حضرت ابوبکر کے خلیفہ اول ہونے کی دلیل

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول ہیں۔ چنانچہ ان کی اذان میں کلمہ ہے "اشهد ان عليا ولى الله و خليفة رسول الله بلا فصل" اس جملہ کو شیعوں کی اذان میں میں نے خود سنا ہے۔ حضرت ابوبکر زبردستی خلیفہ اول بن گئے۔

شیعوں کے اس اعتراض کا جواب بہت سے اکابر علماء نے اپنے اپنے اعتبار سے دیا ہے۔

لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اس کا جواب جتنا لطیف و دقیق دیا ہے وہ حضرات علماء کے لیے ایک نایاب وقیمتی علمی تحفہ ہے، علماء کو سمجھنا اور یاد رکھنا چاہئے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اپنی حیات طیبہ میں حج کا امیر بنایا جبکہ سارے صحابہ موجود تھے، لیکن امور حج کی نیابت آقا نے حضرت ابوبکر کے سپرد کی، اس سے اسلام کے ایک اہم رکن حج میں عملی

نیابت ثابت ہے جو کہ اصل ہے، لہٰذا روزہ میں بھی نیابت ثابت ہوگئی چونکہ روزہ حج کے تابع ہے۔

اسی طرح مرض الوفات میں آقا نے نماز کی امامت آپ کے سپرد کی اور فرمایا ''مروا ابا بکر فلیصل بالناس'' اور آپ کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں جبکہ اس وقت سارے صحابہ موجود تھے، لیکن نماز میں اپنا خلیفہ اور نائب حضرت ابوبکر کو بنایا، لہٰذا نماز سے متعلق آپ کا عملی استخلاف ثابت ہوگیا جو ارکان اربعہ میں اصل ہے۔ تو زکوۃ جو نماز کے تابع ہے اس میں بھی تبعا استخلاف ثابت ہوگیا۔

جب ارکان اربعہ جو دین کا ستون اور اس کی اساس ہے آقا سے نائب وخلیفہ بنانا ثابت ہے تو جہاد وغیرہ اعمال تو ان کے توابع میں سے ہیں ان میں بھی نیابت ثابت ہوگئی۔

پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ حضرت ابوبکر آقا کے خلیفہ اول نہیں ہیں، بلکہ حضرت علی خلیفہ ہیں۔ اس دلیل کے بعد شیعوں کا انکار مکابرہ ہے جو کسی درجہ میں قابل قبول نہیں۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی اس گفتگو میں اسقدر معقولیت ہے کہ ہر عقل والے کے لئے یہ بات قابل قبول اور قابل اتباع ہے لیکن ع

تو ہی نہ مانے تو بہانے ہزار ہیں

آقا کے خاتم الانبیاء ہونے کی دلیل

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ پاک نے حضرات انبیاء کرام کو مختلف انواع کے معجزات سے سرفراز فرمایا، کسی کو ید بیضاء، کسی کو ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ دیا لیکن یہ سب معجزات عملی تھے جو نبی کے جانے کے بعد ختم ہوگئے، لیکن حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات کے ساتھ علمی معجزہ سے بھی سرفراز کیا گیا یعنی آپ کو بطور علمی معجزہ کے قرآن کریم دیا گیا جو حد اعجاز کو پہونچا ہوا تھا، جس کا مقابلہ کرنے سے اس وقت کے تمام فصحاء و بلغاء قاصر وعاجز تھے۔ اور علمی معجزہ کا دستور یہ ہے کہ صاحب معجزہ کے جانے کے بعد بھی علمی معجزہ باقی رہتا ہے۔ چنانچہ آقا دنیا سے روپوش ہوگئے لیکن آپ کا علمی معجزہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ چونکہ آپ کی نبوت کو قیامت تک اللہ کو باقی رکھنا تھا اس لئے آپ کے اس معجزہ کو بھی قیامت تک باقی رکھا جائے گا جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اسی لئے آقاء نے فرمایا "لا نبی بعدی و لا رسل" چونکہ دوام کتاب دوام نبوت کو مستلزم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون"۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک دستور یہ بھی رہا ہے کہ جس قوم نے بھی معجزہ کی تکذیب کی انکار کیا، وہ قوم تباہ و برباد کردی گئی، حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کا انکار کرنے والوں کا حشر دنیا کے سامنے ہے قرآن پاک

میں بھی اس کا تذکرہ۔

لیکن یہ آقا کی دعاء کی برکت ہے کہ قرآن پاک کی حقانیت کا انکار کرنے والے عمومی عذاب کے شکار نہیں ہوئے۔

حبیب اور خلیل میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

دو الفاظ ایسے ہیں جن کا پیار و محبت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) حبیب (۲) خلیل۔

لیکن ان دونوں میں ایک دقیق فرق ہے، وہ یہ کہ حب کا استعمال اس محبت میں ہوتا ہے جو سوداء قلب اور جوف قلب کے باہر ہو اور خلت کا استعمال اس محبت میں ہوتا ہے جو سوداء قلب اور جوف قلب میں ہو۔ اسی لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر صحابہ کے لئے "**أنا أُحبک یا معاذ**" مثلاً حب کا لفظ استعمال کیا اور حضرت ابو بکر کے لئے خلت کا لفظ استعمال کیا اور فرمایا "**لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت أبا بکر خلیلاً**" کہ اگر کسی کو جگری دوست بناتا تو اس کے لائق ابو بکر تھے، یعنی اگر کسی کی محبت سوداء قلب اور جوف قلب میں رکھنے کے لائق ہوتی تو وہ ابو بکر کی محبت تھی، لیکن جوف قلب میں اللہ کی محبت کے علاوہ کسی کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت حبیب الامت نے فرمایا اس

لئے ہر سالک کو خاص طور پر اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ سوداءِ قلب اور جوفِ قلب میں اللہ کے علاوہ کسی کی محبت نہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے: "**قلب المؤمن بیت الله**" یعنی قلب کو شرک و کفر اور دیگر معاصی و ذنوب، اور علائق دنیویہ سے پاک صاف رکھنا چاہئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اللہ پاک نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اے داؤد میرے لئے ایک گھر خالی کر دے جہاں میں سکونت پذیر ہو سکوں حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا، اے اللہ آپ کس گھر کو اپنا مسکن بنانا پسند فرمائیں گے۔ اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی "**فرغ لی قلبک**"۔ اپنے دل کو میرے مسکن کے لئے فارغ کر دو۔ اس کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "**لا یسعنی ارضی ولا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن**" جس کا حاصل یہ ہے کہ دل کو ہر قسم کی آلائش اور گندگی سے صاف ستھرا رکھنا چاہئے اس لئے کہ جب گناہوں کی کثرت کی وجہ سے قلب میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے تو آنکھوں سے ان آنسوؤں کا گرنا بند ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ دل پر لگے ہوئے زنگ کی دھلائی ہوتی ہے جو گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل پر لگ جاتے ہیں، اور پھر دل آئینہ کا کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ اسی لئے خانقاہوں میں اللہ کے اولیاء ایسے گناہگار بندوں کے دلوں کا تجلیہ، تنقیہ، تصفیہ، ذکر قلندری، ذکر حدادی، ذکر سرمدی، ذکر ارہ اور سلطان الاذکار جیسے ذکر کی ضربوں سے کراتے ہیں اور چلہ کشی کرواتے ہیں اور دل کو پھر آئینہ بنا دیتے ہیں، چونکہ حدیث پاک میں ہے:

"**لکل شئ صقالة و صقالة القلب ذکر الله**"۔

ہر چیز کی قلعی اور صفائی کا ایک طریقہ ہے اور دل کی صفائی کا طریقہ ذکر اللہ کی ضربیں ہیں، لہٰذا جب کسی مومن کو یہ محسوس ہونے لگے کہ میرے دل کی طمانینت ختم ہوتی جارہی ہے اور دل کے حالات میں تغیر پیدا ہورہا ہے اور اس میں قساوت پیدا ہورہی ہے تو فوراً اس کو ہوسپٹلائز ہوجانا چاہیئے، یعنی کسی اللہ والے کے دامن سے وابستہ ہوکر ضربوں اور ذکر کے ذریعہ دل میں طمانینت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، چونکہ ارشاد باری ہے:

''ألا بذكر الله تطمئن القلوب''۔

اس لئے دنیا دنی کی آرائش وزیبائش میں پڑکر اور غفلت کا شکار ہوکر اپنے قلب کو برباد نہیں ہونے دینا چاہیئے، چونکہ نظام باطن میں اصل عنصر و جوہر قلب ہی ہے، اگر دل بگڑ گیا اور بروقت اس کو نہیں سنبھالا گیا اور اس کو سنبھالنے کی کوشش نہیں کی گئی تو نظام ظاہر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا وہ بھی تعطل وعصیان کا شکار ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں اخروی زندگی جو ہر مومن کی اصل زندگی ہے تباہ ہوجاتی ہے۔

''و إن الدار الآخرة لهي الحيوان''۔

لہٰذا ہر مومن کو بالخصوص ہر سالک کو اپنے قلب کی نگہداشت کرتے رہنا چاہیئے اور کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لینا چاہیئے، ورنہ ایسوں کا رہبر وقائد ومقتدی ابلیس بن جاتا ہے **''إن الشيطان شيخ من لا شيخ له''۔**

اور اس کی قیادت وسیادت میں بالآخر مومن دیدہ ونادیدہ دانستہ ونادانستہ قعر ضلالت میں گر کر جہنم رسید ہوجاتا ہے اور بسا اوقات اس کو احساس تک نہیں ہوتا۔

اگر کوئی محتاج سمجھ کر مجھ کو ہدیہ دیتا ہے تو لینے کو دل نہیں چاہتا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ہدیہ لینا دینا ایسا محبوب اور قابل ستائش عمل ہے جس کی پذیرائی اسلام نے بھی کی ہے اس سے کدورتیں دور ہوتی ہیں، تعلقات میں اضافہ اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے، دلوں میں ایک دوسرے کی عزت وتکریم پیدا ہوتی ہے، بغض وعناد کا ازالہ ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"تهادوا تحابوا"۔

لیکن اس کے بھی کچھ آداب اور حقوق ہیں مثلاً ایسی چیز ہدیہ میں پیش کی جائے جو معاشرہ اور عرف میں قابل قدر اور قابل عظمت ہو، نیز ہدیہ دینے کا جو طریقہ ہے اس طریقے کو اپنایا جائے، بدسلیقگی اور بدتہذیبی کے ساتھ ہدیہ نہ پیش کیا جائے، ہدیہ قبول کرنے کے سلسلہ میں مہدی الیہ کے جو اصول وضوابط ہوں اس کی پابندی کی جائے مثلاً بعض لوگ عیاناً یعنی سب کے سامنے ہدیہ قبول نہیں کرتے، اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی طرح اگر نقد پیسہ دینا ہو تو اس کو لفافہ میں بند کر کے دیا جائے، ماکولات ومشروبات کے قبیل سے اگر کوئی چیز ہو تو اس کے دینے کا جو معہود اور رائج طریقہ ہے اس طریقہ سے دیا جائے۔

اگر کسی برتن میں ہدیہ پیش کیا جائے جیسے دودھ یا سالن وغیرہ تو برتن خالی کر کے فوراً واپس کیا جائے، چونکہ برتن کا استعمال مہدی الیہ کے لئے جائز نہیں، عام طور پر

گھروں میں عورتیں نادانستہ ہدیہ جس برتن میں آتا ہے اس برتن کو استعمال کر لیتی ہیں جو کہ غلط ہے، نیز ہدیہ میں حلال وطیب چیز دی جائے اور حلال وطیب کمائی استعمال کی جائے، حرام وناپاک چیز کا جیسے خود استعمال درست نہیں دوسرے کو دینا بھی درست نہیں، ہدیہ میں نظافت اور صفائی ستھرائی کا پورا پورا لحاظ اور خیال رکھا جائے، نیز ہدیہ دینے والے میں تواضع اور انکساری ہو، دینے کا انداز بھی متواضعانہ ومنکسرانہ ہو، متکبرانہ نہ ہو، مہدی الیہ کو محتاج سمجھ کر ہدیہ نہ دیا جائے، خاص طور پر جب کہ مہدی الیہ عالم فاضل، دین دار متقی پرہیز گار صاحب نسبت بزرگ اور بڑا ہو بلکہ از دیاد محبت اور تحصیل اجر وثواب کی نیت سے ہدیہ پیش کیا جائے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھ کو محتاج سمجھ کر ہدیہ دیتا ہے اس کا ہدیہ لینے کو میرا دل نہیں چاہتا، اس لئے اس کا ہدیہ میرا دل قبول نہیں کرتا اور جو اس نیت سے ہدیہ دیتا ہے کہ اس سے ہمارے گھر میں برکت ہوگی ہمیں دعاء ملے گی اور محبت میں اضافہ ہوگا تو اس کا ہدیہ لینے کو جی چاہتا ہے اور اس کا ہدیہ قبول کر لیتا ہوں چاہے دو چار ہی پیسے کیوں نہ ہوں۔

اگر مولویت کا دھبہ نہ ہوتا تو میری ہوا تک کوئی نہ پاتا

حضرت حبیب الامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

جو حضرات قوم وملت یا افراد و جماعت یا کسی تنظیم وتحریک یا کسی اجتماعیت یا علاقہ کے مقتدی ہوں خواہ عالم فاضل ہوں یا غیر عالم ہوں، لیکن ان کی حیثیت مقتدی

اور متبوع کی ہوان کے قول وعمل، رفتار وگفتار،نشست وبرخاست،عبادات ومعاملات، معاشرت ومعیشت پر بہت سے لوگوں کی یا کچھ لوگوں کی نظر ہواور لوگ ان کو مقتدی سمجھ کران کی اقتداء واتباع کرتے ہوں، ایسے لوگوں کو ہر اعتبار سے ہر لائن سے ہر وقت محتاط رہنا چاہئے۔اسی لئے کہا جاتا ہے "مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ"۔

ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کے آگے آگے ایک بچہ جارہا تھا جو دیکھنے میں لڑکا تھا، آگے راستہ بھیگا ہوا اور پھسلن کے قابل تھا حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے از راہ محبت آواز دے کر فرمایا کہ بیٹا! سنبھل کر چلنا، کہیں گر نہ جاؤ اس کے جواب میں اس بچہ نے ایسی بات کہی کہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ وہ جواب سن کر خاموش ہی نہیں ہوئے بلکہ آپ پر سکتہ طاری ہوگیا اور آپ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ بچہ دیکھنے میں تو لڑکا ہے لیکن شعور اور دانائی کے اعتبار سے بڑکا ہے اس بچہ نے جواب میں کہا کہ حضرت میری فکر نہ کریں، میں تو بچہ ہوں، اگر گر گیا تو جلدی سنبھل جاؤں گا، لیکن اگر آپ گرے تو ایک عالم گر جائے گا۔

اس بچہ نے جو جواب دیا اگر چہ زبان بچہ کی ہے لیکن بات بہت دانائی پر مشتمل ہے، اس لئے وہ حضرات جن کی حیثیت مقتدا کی ہوان کو بہت محتاط زندگی گزارنی چاہئے، اس لئے کہ ایسے حضرات کی غلطی ہزاروں بلکہ کبھی لاکھوں کی غلطی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اس لئے ایک مرتبہ جب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے یہ کہا گیا کہ حضرت اس مجلس میں فلاں صاحب بھی ہیں جن کی آواز بہت اچھی ہے اور نعت بہت

اچھی پڑھتے ہیں، آپ بھی ایک نعت سن لیں تاکہ ان کی ہمت افزائی ہو جائے تو آپ نے یہ جواب دے کر عرضی گزار ہی نہیں بلکہ پوری مجلس کو خاموش کر دیا بلکہ سکتہ میں ڈال دیا کہ بھائی مجھ کو لوگ کبھی کبھی امام بھی بنا دیتے ہیں اور غناء بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے، لہٰذا میں اس خوش الحان کی نعت سننے سے معذرت خواہ ہوں اور یہ کہہ کر آپ نے نعت نہیں سنا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی مجلس میں ایک نعت خواں جو بہترین غزل خواں تھے انہوں نے حافظ شیرازی کی غزل شروع کی لیکن حضرت نانوتوی کو ناگوار گزرا اور آپ نے زبان سے منع تو نہیں کیا لیکن روحانی طاقت سے اس کو روک دیا، ایک دو شعر سے زائد وہ نہیں پڑھ سکا اس کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے بہت سخت اور تند لہجہ میں فرمایا کہ میں جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے، اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے، اگر یہ مولویت کی قید و بند نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا پرندوں کے تو گھونسلے بھی ہوتے ہیں یہاں وہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا ایک خواب اور اس کی تعبیر

انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم سے لے کر صلحاء و اولیاء تک ہر زمانہ میں نیکوکاروں کے جہاں بہت سے لوگ خیر خواہ و ہمدرد رہے وہیں اپنوں اور غیروں میں

بہت سے لوگ شر پسند اور بدخواہ بھی رہے جن کی شر پسندی اور بدخواہی سے حضرات انبیاء، صحابہ، اتقیاء، اصفیاء، انقیاء، اخیار، اولیاء کو دو چار ہونا پڑا اور وقتی طور پر مشکلات اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا اور اس کی ایک دو نہیں لاکھوں مثالیں ملتی ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں۔

چنانچہ جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی تو ایک صاحب نے انگریز کے یہاں جس کی اس وقت حکومت تھی آپ کے مدرسہ کے خلاف سنگین الزامات لگا کر ایک درخواست دے دی، اس وقت کے انگریز حکومت نے جانچ کے لئے ایک عملہ متعین کر دیا جو تفتیش میں لگ گیا، بالآخر ایک افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغیر کچھ سوال جواب کیے بہت دیر تک کھڑا ہوا آپ کو غور سے دیکھتا رہا، اللہ پاک نے حضرت کی وجاہت کا ایسا رعب اس پر ڈال دیا کہ واپسی پر اس نے حکومت کو یہ رپورٹ دی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقض امن اور غدر کا الزام لگاتے ہیں وہ خود ہی غدار اور مفسد ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف کاروائی ہونی چاہئے۔ انگریز افسر کے اس جواب کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے اوپر سے غداری وطن کا الزام تو ختم ہو گیا لیکن آپ کا دل و دماغ اس سے بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ اکثر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے لگے اور یہ دیکھنے لگے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی ردائے مبارک میں مجھے چھپا کر کبھی اندر لے جاتے ہیں، کبھی باہر لاتے ہیں، سوتے جاگتے اکثر یہی منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔

جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو آپ کی اس کیفیت کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ مولانا قاسم نانوتوی کی عمر اب ختم ہو چکی ہے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مولانا قاسم نانوتوی کو جس کیفیت میں ہو رہی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ جب ایسی مقدس ہستیوں پر شر پسند لوگ ایسا بے ہودہ الزام لگانا شروع کر دیں تو اب یہ لوگ اس لائق نہیں کہ ایسی مقدس ہستی ان کے درمیان رہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی بات صادق آئی اور اس واقعہ کے بعد حضرت زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے، کچھ ہی دنوں کے بعد اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کے نیک بندوں کو اذیت پہونچانے کے لئے کچھ لوگ کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ کے الزامات اور تہمتیں لگا کر اللہ کے نیک بندوں کے صاف ستھرے دامن کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کرنے لگتے ہیں تو اگر چہ اللہ پاک ان کو بے داغ ثابت کر دیتے ہیں لیکن ان صلحاء اتقیاء اور نیک بندوں کی موجودگی سے جو مادی اور روحانی فیض کے پہونچنے کا سلسلہ قائم رہتا ہے اس کو اللہ پاک بند کر دیتے ہیں۔

اس لئے عوام امت کو بالخصوص بہت چوکنا اور باہوش رہنے کی ضرورت ہے کہ ان کے معاشرے اور سماج میں وہ نفوس قدسیہ جن کا وجود سب کے لئے سراپا برکت ہو ان کی موجودگی اور وجود کی قدر کی جائے اور ان کے در پئے آزار ہو کر ان کو

شکستہ دل کر کے ان کو مجروح نہ کیا جائے تا کہ ان کے وجود اور برکت سے معاشرے کے عام امت کو جو مادی اور روحانی فیض پہونچ رہا ہے ایک دو کی حرکت اور ناعاقبت اندیشی سے سارے لوگ محروم نہ ہوں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور میلہ خدا شناسی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

یہ بات اس سے پہلے کی مجلس میں آچکی ہے کہ ہندوستان میں ایمان اور اسلام قرآن اور حدیث دین اور دیانت کی جو عظیم خدمت دار العلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے رفقاء اور تلامذہ اور معاصرین اور فضلاء دار العلوم دیوبند نے کی وہ اور اتنی خدمت کسی نے نہیں کی جس کی شاہد عدل ہندوستان کی تاریخ اور تاریخ کے اوراق اور کتابوں کے صفحات ہیں، اگر چہ دعویٰ کوئی کچھ بھی کرے لیکن حقیقت وہی ہے جو خادم نے ابھی عرض کیا۔

ہندوستان میں جتنے فتنوں نے جنم لیا یا پرانے فتنوں نے سر اٹھایا اس کی مکمل سرکوبی اور اس کا تعاقب اور اس کو گھر تک نہیں بلکہ جہنم رسید کرنے کا عظیم کام دار العلوم دیوبند کے وابستگان ہی نے کیا۔ چنانچہ شیعیت ہو یا بریلویت، رافضیت ہو یا قادیانیت، غیر مقلدیت ہو یا عیسائیت، مودودیت ہو یا دہریت، فتنہ آریہ سماج ہو یا سدھی کرن، ان سارے فتنوں کو اکابرین وعلماء وفضلاء ووابستگان دار العلوم دیوبند ہی

نے سمجھا اور دفن کیا۔

ان فتنوں میں ایک فتنہ آریہ سماج کا بھی تھا جس کا براہ راست مقابلہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے علم وفن اور اپنی ذہانت و ذکاوت اپنے دلائل و براہین اپنی ولایت اور معقولیت سے کیا۔ چنانچہ مباحثہ شاہجہاں پور جو آریہ سماج سے ایک تاریخی مباحثہ ہوا جس کو میلہ خدا شناسی کا بھی نام دیا گیا جس میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے بنفس نفیس خود شرکت فرمائی تھی، جس میں حضرت کی برکت سے اسلام کو مکمل فتحیابی اور کامیابی حاصل ہوئی اور اسلام کی حقانیت کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بج گیا اور فتنہ آریہ سماج مقہور و مغلوب، ذلیل وخوار، ورسوا ہوکر سرنگوں ہوگیا تو اس ظفریابی کی اطلاع جب حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو مولانا قاسم نانوتوی سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا یعنی تمام مذاہب کے گروہ میں اسلام کی حقانیت کا اعلان ہوگیا اور اللہ کی حجت بندوں پر قائم ہوگئی کہ مذہب اسلام ہی پوری دنیا کا واحد برحق مذہب ہے اور یہ کام اللہ نے مولانا قاسم نانوتوی سے لے لیا، لہٰذا اب مولانا قاسم نانوتوی زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا یعقوب صاحب کی یہ بات صادق آئی اور میلہ خدا شناسی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گئے۔

اس کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم کی بعثت کسی خاص قوم اور خطہ میں ہوتی تھی

اور مقاصد بعثت کی تکمیل یا اتمام حجت کے بعد ان کو اٹھا لیا جاتا تھا اسی طرح مختلف ازمنہ اور مختلف ادوار میں مختلف امکنہ میں، مختلف اشخاص صلحاء اتقیاء، ابرار، اخیار، اقطاب، نجباء کی بعثت کسی خاص کام کی تکمیل کے لئے ہوئی اور اس کام کی تکمیل یا اتمام حجت کے بعد ان نفوس قدسیہ اور ان شخصیات کو اٹھا لیا گیا جس کو عام لوگ نہیں سمجھ پائے لیکن خواص امت نے اس کو خوب سمجھا۔

میں وہی کرتا ہوں جو ان کو مکشوف ہوتا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جب حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ نے رکھی جو ان کے کشف و مکاشفہ پر مبنی تھی، اگرچہ اس وقت کے بعض بزرگ اس بنیاد کے حق میں نہیں تھے لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے تصرف باطن اور توجہ خصوصی کی بنیاد پر وہ بھی شریک بنا ہو گئے، لیکن دارالعلوم کے اہتمام و انتظام کا کام آپ نے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے سپرد فرمایا، اگرچہ ان دونوں حضرات میں اتنی قربت اور موانست اور مناسبت تھی کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے قلب پر وارد ہوتا ہے اس کا خیال میرے قلب سے بھی گزرتا ہے اور میں وہی کرتا ہوں جو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو مکشوف ہوتا ہے، علم ان کا ہوتا ہے عمل میرا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے منشاء علمی و کشفی

کو میں فوراً سمجھ جاتا ہوں اور اس پر فوراً عمل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب پچیس سال کے لمبے عرصہ تک حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے ساتھ رہے اور جب کبھی حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ان کو بلایا تو باوضوء ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اگر وضوء نہیں رہا تو وضوء کر کے حاضر ہوئے، کبھی بغیر وضوء کے نہیں گئے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا درجہ میں نے انسانیت سے بالا دیکھا، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ ایک فرشتہ تھے جو انسانوں میں ظاہر کئے گئے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ منصب اہتمام ایسا منصب ہے کہ آدمی کتنا ہی صاف ستھرا اور پاکدامن کیوں نہ ہو لوگ خواہ مخواہ اس کے دامن کو داغدار کر ہی دیتے ہیں، اس نکتہ کو حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ غالباً سمجھ رہے تھے، اس لئے اہتمام کا کام خود نہ کر کے اس کام کے لئے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کو طلب کیا اور کار اہتمام ان کے سپرد فرمایا اور اس کار اہتمام کو حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے بغیر کسی اختلاف رائے کے پوری زندگی حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے منشاء علم، کشف، ہدایت، ارشاد کے مطابق انجام دیا اور ترقی کی راہ پر ذہنی وفکری یگانگت کے ساتھ گامزن کر کے دونوں حضرات اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اللہ پاک ان دونوں حضرات کی قبروں کو منور فرمائے اور اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا کرتہ میں بٹن نہ لگوانا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی بہت سادہ لباس تھے، علم کا پہاڑ ہونے کے باوجود ظاہری وضع قطع میں سنت کے اہتمام والتزام کے ساتھ سادگی بہت تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے کمرے میں تو ضرورت کی مباح چیزیں نظر آتی تھیں، لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے کمرے میں مباح چیزیں بھی غائب تھیں آپ کے کمرے میں صرف ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی تھی اس پر آپ تشریف فرمایا کرتے تھے، نہ آپ کے پاس کوئی صندوق تھا اور نہ ہی کپڑوں کی کوئی گٹھری۔

حضر کے ساتھ سفر میں بھی آپ کا یہی حال تھا، کبھی ایک آدھا کپڑا سفر میں ساتھ لے جاتے تو اس کو بھی دوسرے کے تھیلے میں رکھوا دیتے تھے، عموماً ایک ہی کپڑے میں سفر پورا ہوجایا کرتا تھا، البتہ ایک نیلے رنگ کی لنگی ساتھ رہتی تھی جب کپڑے زیادہ میلے ہوجاتے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لیتے اور خود ہی اپنے ہاتھ سے دھوکر سکھا کر پہن لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نو وارد شخص نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے ان کے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے درمیان مزاج کے فرق کے بارے میں سوال کیا تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ میاں مولانا رشید احمد گنگوہی کی بات کرتے ہو وہ تو اپنے نفس کو مار چکے ہیں، وہ چاہے لباس فاخرہ زیب تن فرمائیں یا

موٹا جھوٹا پہنیں وہ مرغ پلاؤ کھائیں یا چٹنی روٹی ان پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو اپنے نفس کو مار چکے ہیں۔ اور قاسم کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی اپنے نفس کو مار رہا ہے۔

ایک موقع پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں فرمایا کہ میاں مولانا رشید احمد گنگوہی کی کیا بات ہے وہ تو فقیہ النفس ہیں، جب اس جملہ کی اطلاع حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو ہوئی تو آپ نے فرمایا واہ جی واہ ہمیں وضوء اور نماز کے چند مسئلے معلوم ہو گئے تو ہم فقیہ النفس ہو گئے اور مولانا قاسم نانوتوی سمندر کا سمندر پیے بیٹھے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

یہ ہمارے بزرگوں کا معاصرت کے باوجود ایک دوسرے کے ادب وتأدب کا یہ حال تھا اور آج کے خوردوں کا جو حال ہے الامان الحفیظ۔ آج کے تو خورد بھی اپنے بزرگوں کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسی میں ہمارا بڑکپن ہے، اس طرح ہم اپنے بڑوں کو چھوٹا دیکھا کر بڑے بن جائیں گے حالانکہ ایسے خورد اپنی حرکتوں سے اپنے کو کتنا نیچے پہنچا دیتے ہیں، اگر ان کو اس کا احساس ہو جائے تو شاید اپنی نادانی پر ان کو افسوس ہونے لگے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کی سادگی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے پوری زندگی کبھی اپنے کرتے میں بٹن نہیں لگوایا اور فرماتے تھے کہ یہ نصاری کی علامت ہے، اس لئے بٹن لگوانے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک دوسرے پر اعتماد

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ایک ساتھ حج بیت اللہ کے لئے سفر کا ارادہ فرمایا، اسی درمیان کچھ لوگوں کی ایک جماعت حضرت گنگوہی کے پاس پہنچی اور آپ کے ساتھ سفر حج کی اجازت چاہی، حضرت نے اس کے جواب میں پوچھا کہ زادراہ بھی ہے؟ اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ حضرت توکل علی اللہ پر سفر کریں گے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے سخت لب ولہجے میں فرمایا کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم منیجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھ دینا، جہاز کا ٹکٹ تم کو مل جائے گا، اس کے بعد ڈانٹ کر حضرت نے فرمایا بڑے آئے ہو توکل کرنے والے، جاؤ اپنا کام کرو، یہ کہہ کر آپ نے ان سب کو بھگا دیا، یہ لوگ جب آپ کے یہاں سے مایوس ہوگئے تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی خدمت میں پہنچے، آپ نے ان کی بات سن کر ہم رکابی اور رفاقت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ لوگ بھی ان مقدس ہستیوں کے ہمراہ ہوگئے، راستہ میں جو کچھ بھی ملتا رہا اپنے لئے یا اپنے پاس رکھنے کے بجائے سب کچھ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رفقاء سفر کو دیتے رہے، جب ایک

صاحب نے اس پر یہ سوال کیا کہ کچھ تو اپنے لئے بھی رکھ لیا کریں تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے بہت یقین کے ساتھ یہ جواب دیا "**إنما أنا قاسم و الله يعطى**"۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مزاج چونکہ شاہانہ اور منتظمانہ تھا، اس لئے ہر کام نظم و ضبط کے ساتھ کرتے تھے، اس کے بالمقابل حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے مزاج میں اس قدر اہتمام اور انتظام نہیں تھا بلکہ حضرت گنگوہی کے مزاج کے مقابلے میں لاابالی پن تھا، سامان اور چیزیں کہیں کی کہیں پڑی رہتی تھیں، اس پر کوئی توجہ آپ کی نہیں ہوتی تھی، اس کے علاوہ لوگوں کی ملاقات اور آنے جانے میں بھی کوئی نظم اور اہتمام نہیں تھا، اس پر ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صبح سے شام تک ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہو، کچھ فکر بھی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ آپ کے ہوتے ہوئے مجھ کو کیا فکر ہے۔

سبحان اللہ کیا بات ہے معاصرت کے باوجود ایک دوسرے پر کس قدر اعتماد اور یقین ہے، آج تو خوردوں کو بھی اپنے بزرگوں پر یہ اعتماد اور یقین نہیں، اولادوں کو اپنے ماں باپ پر یہ اعتماد، یقین نہیں، حالانکہ عربی کا مقولہ ہے "**المعاصرة سبب المنافرة**" اس کے باوجود اس قدر انس اور محبت اور ایک دوسرے پر بھروسہ اور یقین کاش کہ آج کے اخلاف کو ہمارے اسلاف کی یہ دولتیں اور نعمتیں حاصل ہو جائیں تو ہم سب کی دنیا کی زندگی جنت کا گہوارہ بن جاتی۔

کاش آج کے خوردوں کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت اور توفیق حاصل ہو جائے۔

دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی اینٹ کس نے رکھی؟

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے جب طلبہ کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھتہ سے ہٹ کر دارالعلوم کے لئے مستقل تعمیر کا ارادہ فرمایا اور اس کا اظہار فرمایا کہ اب دارالعلوم کے لئے مستقل عمارت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کے لئے آپ کی کاوشوں سے زمین بھی حاصل کرلی گئی اور سارا پروگرام طے کرلیا گیا۔

لیکن جب حضرت نانوتوی نے اپنے اس عزم کا اظہار اور اعلان فرمایا تو اس وقت کے موجود بعض بزرگ رفقاء کار نے آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے پیش نظر آپ کی نگاہ دوررس میں مستقبل کا تابناک دار العلوم تھا اس لئے عدم اتفاق کے باوجود آپ اپنی رائے سے پیچھے نہیں ہٹے بلکہ حسب پروگرام وقت مقررہ پر آپ نے اس کو عملی جامہ پہنایا اور جب بنیاد کی جگہ پر تشریف لے گئے تو اپنے تصرف باطنی کے ذریعہ وہ بزرگ محترم جو آپ کی رائے سے متفق نہیں تھے ان کو بھی ہمراہ لے کر آئے اور دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی اینٹ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی تجویز کے مطابق میاں جی مُنّے شاہ صاحب نے رکھی جو حضرت مولانا سید شاہ اصغر حسین کے نانا تھے، اس کے بعد دوسری اینٹ حاجی عابد صاحب نے رکھی، تیسری اینٹ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے رکھی، پھر حاضرین کے اصرار اور خواہش پر چوتھی اینٹ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے رکھی۔

اس طرح دارالعلوم دیوبند کی سنگ بنیاد کا عمل اختتام پذیر ہوا۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اس سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی اینٹ کس نے رکھی اور دوسری، تیسری، اور چوتھی اینٹ کس نے رکھی۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس انداز کے کارِ خیر اور صدقہ جاریہ میں بزرگوں اور معاونین و مخیّرین کو دعوت دے کر بلانا اور ان کی شرکت اسلاف کے عمل سے ثابت ہے یہ کوئی بدعت نہیں، نیز اس انداز کے کارِ خیر کی تشہیر اور اعلان بھی مطلوب اور مستحسن ہے اور اپنے اکابرین کے عمل سے ثابت ہے۔

اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس انداز کے کارِ خیر اور صدقہ جاریہ میں حاضرین میں بزرگ اور اہم ترین شخصیت کو ترجیح دینا بھی مستحسن ہے۔

مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ آپ میں بھی یہ جوہر ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اللہ والے صاحب کشف و کرامت بھی ہوتے ہیں اور صاحب حال بھی، لیکن اپنے آپ کو عوام تو دور کی بات ہے خواص میں بھی اس طرح چھپا کر رکھتے ہیں کہ ان کا حال باطن کسی پر ظاہر نہ ہو۔

اسی طرح علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کا بھی اس درجہ اخفاء ہوتا ہے، بعض مرتبہ لوگ ان کے ساتھ عامیانہ برتاؤ شروع کردیتے ہیں اور پھر جب کبھی ان پر اصلی اور صحیح صورتحال واضح ہوتی ہے تو پھر شرمندہ ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ اسی طرح کا واقعہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے ساتھ ایک مرتبہ پیش آیا جب جلال الدین تھانیسری نے حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کو نچنیا پیر کا خطاب دیا اور جب حضرت شاہ صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت شاہ صاحب نے ایسی توجہ ڈالی کہ ان کا ظاہری سارا علم سکنڈوں میں یک لخت سلب ہوکر ختم ہوگیا، تب مولانا جلال الدین تھانیسری کو احساس ہوا کہ میں نے غلط جگہ ہاتھ ڈال دیا اور بے موقع میں نے زبان درازی کردی، یہ تو وہ نہیں ہیں جو میں سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کے قدموں میں گر گئے اور انھیں کے ہوکر رہ گئے اور علم ظاہر کا سارا زعم مٹی میں مل گیا۔

اسی طرح حضرت مولانا قاسم نانوتوی ایک مرتبہ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اچانک دوران درس ایک صاحب دل بزرگ شریک درس ہوگئے، آپ کا عالمانہ اور عارفانہ درس سننے کے بعد فرمایا، کاش ان کو علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کا بھی علم ہوتا تو کیا بات تھی۔

یہ بات صاحب حال بزرگ نے بطور تنقید کے نہیں، بلکہ خلوص نیت سے کہا تھا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حسرت کا اعادہ کیا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں

کچھ ایسا ہی بدقسمت ہوں جیسا کہ آپ نے فرمایا، اگر آپ ہی اس سیاہ کار پر نظر شفقت فرمادیں تو زہے نصیب۔

اس کے بعد وہ صاحب حال و دل بزرگ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے سامنے مراقب ہوکر متوجہ ہوگئے، ادھر حضرت نانوتوی بھی گردن جھکا کر مراقب ہوگئے، تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ صاحب حال بزرگ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ حضرت معاف کیجئے گا، میرے سمجھنے میں غلطی ہوئی، میں نے جو سمجھا تھا وہ آپ نہیں ہیں، آپ میں تو علی وجہ الاتم وہ جوہر ہے جس کو میں سوچ رہا تھا، اس کے بعد وہ صاحب حال بزرگ نادم وشرمندہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی راہ لی۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی جہاں علوم ظاہرہ کے امام تھے وہیں علوم باطنہ میں بھی پوری دست رس وقدرت کاملہ رکھتے تھے، لیکن مزاج وطبیعت میں سادگی اس قدر بھری ہوئی تھی اور علو وغلو سے اس قدر پاک تھے کہ عام آدمی اکثر آپ کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔

کاش اس زمانہ کے وہ نوجوان فضلاء جو بہت شوق سے قاسمی نسبت کا استعمال کرتے ہیں ان کو اس کا احساس ہوجاتا کہ نسبت قاسمی کس دولت کا نام ہے اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا مزاج ومسلک علم وفہم تواضع وسادگی اتباع سنت وشریعت، تقرب اور انابت الی اللہ کس درجہ حاصل تھا اور وہ کس عظیم دولت کے مالک تھے تو یقیناً وہ فضلاء جو فخر سے اپنے کو قاسمی لکھتے ہیں وہ نسبت کو استعمال کرنے سے پہلے سو بار سوچتے، پھر کہیں قاسمی لکھنے کی ہمت کرتے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی طبعی نظافت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی جہاں بہت زیادہ سادہ مزاج اور جفا کش، ملنسار، متواضع، پرمشقت زندگی گزارنے والے تھے، اسی کے ساتھ طبیعت میں نظافت اور نزاکت بھی تھی، ہر چیز میں سادگی کے باوجود صفائی ستھرائی جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے اس کے مکمل حامل تھے اور کسی طرح کی گندگی اور بدہیئتی آپ کے لیے قابل برداشت نہیں تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ کسی جگہ آپ مجمع سے خطاب فرما رہے تھے، دوران خطاب آپ کے سامنے ایک بدہیئت شخص آ کر بیٹھ گیا جس کی شکل وصورت اور لباس تعفن سے بھرا ہوا تھا، اور اس کی ہیئت کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں تھی۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہی آپ کے نازک مزاج طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کا رواں دواں خطاب ایک دم سے رک گیا، اور مجبوراً کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے جس کی وجہ سے پورا مجمع منتشر ہو گیا اور لوگ آگے پیچھے ہو گئے، اس کے بعد دوبارہ آپ کرسی پر بیٹھے اور پھر سے خطاب شروع کیا اور بغیر کسی تکان کے مسلسل آپ نے دیر تک خطاب کیا۔

وہ میرے مشتاق ہیں میں ان کا مشتاق نہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی باوجودیکہ دارالعلوم دیوبند جیسے ایک اہم ادارہ کے ذمہ دار تھے، اگرچہ منصب اہتمام حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے حوالے کر رکھا تھا جو آپ کے منشا اور حکم کے مطابق ہر کام انجام دیتے تھے اور کبھی بھی دونوں حضرات میں کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کی نوبت نہیں آئی، دونوں حضرات کے درمیان بے پناہ محبت تھی اور ایک دوسرے کا احترام بھی تھا۔

لیکن ایک ادارہ کے بانی اور ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے جب تک آپ زندہ رہے اس کی مکمل مصروفیت آپ ہی کے سر رہی، لیکن اتنی اہم ذمہ داری کے باوجود استغناء اور ''زہد کا یہ عالم تھا کہ اغنیاء امراء اور نوابوں سے بہت دور رہتے تھے، حتی کہ ان کی دعوت اور طلب پر بھی حاضری سے معذرت کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ نواب کلب علی خان نے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر عثمان نامی شخص کو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی خدمت میں طلبی کے لئے بھیجا، اس دعوت کے ساتھ کہ میں حضرت کی ملاقات کا مشتاق ہوں، لہٰذا وہ میرے پاس آکر مجھ سے مل لیں۔

حضرت نے تو پہلے اعذار پیش فرمائے کہ میں غریب آدمی ہوں، دیہات کا رہنے والا ہوں، موٹا جھوٹا پہننے کا عادی ہوں، نوابوں اور امراء کے دروں کے آداب

سے نا آشنا و ناواقف ہوں۔

لیکن حضرت کا کوئی بھی عذر اس قاصد کے نزدیک جو آپ کی طلبی کے لئے آیا تھا قابل سماع وقبول نہیں ہوا، اس نے ہر عذر کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت آپ سارے آداب سے مستثنیٰ رہیں گے اور آپ اسی حال میں تشریف لے چلیں، نواب صاحب کو آپ سے ملاقات کر کے خوشی ہوگی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے نواب کلب علی خاں کے سکریٹری اور وزیر کی تقریر سن کر فرمایا کہ نواب صاحب میری ملاقات کے مشتاق ہیں، میں تو ان کی ملاقات کا مشتاق نہیں ہوں، لہٰذا میں ان کے پاس کیوں جاؤں، اگر ان کو بہت زیادہ اشتیاق ہے تو وہ خود چل کر میرے پاس آئیں، ان شاء اللہ ملاقات ہوجائے گی، ان کے پاؤں میں مہندی تو نہیں لگی ہے، یہ کہہ کر اور جواب دے کر حضرت نانوتوی نے نواب صاحب کے سکریٹری کو بے رنگ واپس کردیا۔

اسی طرح نواب محمود علی خاں جو چھتاری کے رئیس تھے، پوری زندگی انھوں نے اس تمنا میں گزار دی کہ کسی طرح کہیں آپ کی ملاقات ہوجائے، لیکن آپ نے کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آنے دی۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ آج کل کے علماء وفضلاء جو امراء اور اغنیاء کو اپنا گرویدہ بنانے کے چکر میں صبح وشام لگے رہتے ہیں اور فرضی ایجنٹوں کے ذریعہ فرضی کہانیاں سنا کر اور بتلا کر ان کی دنیا اور دولت کو اپنی جیبوں میں بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ان کے لیے ہمارے اسلاف کے یہ

واقعات اوران کی فکر اوران کا مزاج یقیناً درس عبرت ہے، کاش ملاعلی قاری کی تحریر کردہ وہ عبارت آج کے نوجوانوں کے ذہن میں اتر جائے "**نعم الأمير على باب الفقير بئس الفقير على باب الأمير**" اور کاش حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی کی یہ بات ذہن میں اتر جائے:

حضرت مولانا یوسف صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی بد دینی کی بات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دنیا دار پر اس لئے دین کی محنت کرے کہ جب وہ دیندار بن جائے گا تو اس کی دنیا سے میں نفع اٹھاؤں گا۔

دنیا ہم بھی کماتے ہیں اور دنیا والے بھی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی ایک مرتبہ جمعہ کے دن مسجد چھتہ میں اپنے حجرے کے سامنے حجامت بنوا رہے تھے، اسی دوران میرٹھ کے رئیس شیخ عبدالکریم آ گئے، حضرت مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھ لیا جب وہ قریب آئے تو آپ نے جان بوجھ کر رخ تبدیل کرلیا، وہ قریب آکر ہاتھ باندھ کر آپ کے پاس کھڑے رہے، رومال میں باندھ کر بہت سارے روپئے وہ لے کر آئے تھے، کافی دیر کے بعد حضرت نانوتوی نے ان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا اچھا اچھا، شیخ صاحب ہیں

اس کے بعد خیریت پوچھی، انہوں نے سلام کیا، قدم چومے اور رومال میں بندھے ہوئے روپۓ قدموں میں ڈال دیئے، حضرت نے ان روپیوں کو قدموں سے دور کر دیا، شیخ عبدالکریم دیر تک کھڑے ان پیسوں کو قبول کرنے کی منت وسماجت کرتے رہے، جب حضرت نے قبول نہیں فرمایا تو رئیس صاحب وہ پیسے حضرت کی جوتیوں میں ڈال کر چلے گئے، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی فارغ ہوکر باہر جانے کے لئے جوتیوں کے پاس پہونچے تو حضرت نے دیکھا کہ وہ سارے پیسے جوتیوں میں پڑے ہیں، حضرت نے ہاتھ بھی ان پیسوں کو نہیں لگایا بلکہ پاؤں کے ذریعہ جوتیوں کو الٹ کر پیسوں کو وہیں گرادیا اور جوتے پہنتے ہوئے حافظ انوارالحق دیوبندی جو اس وقت وہاں موجود تھے ان سے مسکرا کر فرمایا:

حافظ جی دنیا ہم بھی کماتے ہیں اور دنیا والے بھی، فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں آکر پڑتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور دنیا ان کو لات مارتی ہے، یہ فرما کر ان سارے پیسوں کو وہیں تقسیم کر دیئے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت نے فرمایا حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے سچ فرمایا چونکہ حضرت نبی پاک ؐ کا ارشاد ہے: **''من کان للہ و لرسولہ أتت الدنیا وھی راغمة''** جو اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کے مطابق زندگی گزارتا ہے، دنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے اور اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں ہیں جو احادیث کے صفحات میں موجود ہیں۔

لیکن اس وقت افسوس ہوتا ہے جب طالب عقبی اور طالب آخرت کو طلب

دنیا میں اس قدر غرق یہ آنکھ دیکھتی ہے کہ اتنا غرق طالب دنیا بھی نہیں ہوتا، جب کہ ان کے سینوں میں قرآن و حدیث اور اس کے معانی و مفاہیم اور اس کے معارف وحقائق محفوظ ہوتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا بقدر مقدر ملتی ہے بقدر مشقت نہیں جس کو صاحب مختصر المعانی نے یوں بیان کیا ہے ؎

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه

و کم جاهل جاهل تلقاه مرزوقا

هذاالذی ترک الاوهام حائرة

وصیر العالم النحریر زندیقاً

یعنی بہت سے دانا بلکہ داناؤں کے دانا ان کے طرق معاش نے ان کو تھکا کر رکھ دیا ہے، یعنی وہ نان شبینہ کے محتاج ہیں، اور بہت سے نادان بلکہ نادان در نادان ان کے پاس اتنی روزی ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں۔

اللہ کی اس تقسیم نے دنیادار بڑے بڑے علماء کو حیران و پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ بڑے بڑے ماہر علماء جو اس کے راز کو سمجھ نہیں سکے وہ زندیق ہو گئے۔

اس لیے بہت شعور کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت ہے، اور اللہ پر اور اس کے خزانوں پر اور اس کی رزاقیت پر یقین کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے، اپنی ضرورت کو تعیّشات سے الگ کر کے ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھتے ہوئے دانائی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے، ضرورت کے مفہوم میں لولاہ لتضرر داخل ہے لیکن

تعیش کے مفہوم میں یہ داخل نہیں۔ گاڑی وہاں پھنس جاتی ہے جب تعیّشات کو ضرورت کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔

امام رازی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے علم میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام رازی کا ذہن طول وعرض میں زیادہ چلتا ہے، ہر مسئلے کے بیان میں ان کے یہاں پھیلاؤ بہت ہوتا ہے، مواد میں ترتیب اور تفصیل، تبویب اور تہذیب میں ان کا زیادہ زور رہتا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے، اسی لیے بہت سے اصحاب علم واصحاب ذوق کو بھی ان کے مفہوم ومراد تک پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے اور بعد والے وہاں تک پرواز نہیں کر پاتے جہاں تک پرواز کر کے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بات کرتے ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ذہن عمق کی طرف زیادہ چلتا ہے، اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہر مسئلہ کی تہہ اور اصلیت کا انداز لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرمادیتے ہیں کہ اس سے سینکڑوں جزئیات کی تفریع ممکن ہوجاتی ہے۔

یہ باتیں اتنی اہم اور قیمتی ہیں کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی جیسے علم کے پہاڑ ہی یہ فرق بتلا سکتے ہیں۔

تین کتابیں البیلی ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

تین کتابیں البیلی ہیں، یعنی ان تین کتابوں میں اس قدر علوم ہیں کہ آج تک ان علوم کا احاطہ کوئی کتاب نہیں کرسکی، اس لئے امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے کہ کثرت تصانیف اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور ہر تصنیف کا ماٴخذ قرآن وحدیث ہے اور ہر مصنف نے اپنے اعتبار سے علوم قرآن کا احاطہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کوئی بھی مصنف آج تک اس کا حق ادا نہیں کرسکا۔ اس لئے عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

جمیع العلوم فی القرآن

ولکن تقاصرت افہام الرجال

کہ دنیا کا ہر علم کا ماٴخذ قرآن کریم ہے اور اس نے سارے علوم وفنون کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے، لیکن انسان کی فہم نارسا کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہوسکی اور آج تک کوئی بھی قرآن پاک میں مذکور اور مسطور محفوظ ومکنون سارے علوم کو بیان نہیں کرسکا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی جن تین کتابوں کو البیلی کہا کرتے تھے:

(۱) قرآن کریم

(۲) بخاری شریف

(۳) مثنوی شریف

چونکہ بخاری شریف کے تراجم بھی اصل ہیں اور وہ تراجم کہیں جلی ہیں، کہیں خفی، اس لئے امام بخاری کے تراجم کے مفہوم مراد تک پہونچنے میں بڑے بڑے حضرات کو دقت و دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے وہ حضرات اہل علم بخوبی واقف ہیں جن کا خصوصی مشغلہ تدریس بخاری کی خدمت ہے۔

یہی حال مثنوی شریف کا بھی ہے کہ جن معانی ومعارف اور مراد ومفاہیم کی طرف مولانا روم اپنے کلام میں دقیق اشارہ فرماتے ہیں بہت سے دقت نظر رکھنے والے اہل علم حضرات کی نظر بھی وہاں تک نہیں پہنچ پاتی اور مشارالیہ کی تعیین میں حیران وپریشان ہوجاتے ہیں۔

اسی لیے بڑے بڑے اکابرین اور اولیاء حضرت مولانا قاسم نانوتوی جیسے اہل علم فضل وکمال مثنوی شریف کا خود درس دیا کرتے تھے، یہی معمول حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی تھا۔

میلاد کے بارے میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی رائے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

میلاد اور سماع دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں اپنے اکابرین حقہ کا مزاج مختلف رہا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، یہ ہمارے تمام اکابرین کے شیخ ومرشد ہیں، وہ میلاد کے قائل تھے اور میلاد کی مجلسوں میں شرکت کیا کرتے تھے، اس

لئے حضرت حاجی صاحب کے بہت سے متوسلین و مریدین، محبین و معتقدین، خلفاء و مجازین بھی میلاد کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بھی ابتداءً میلاد کے قائل تھے، لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بار بار مراجعت کے بعد انتہاءً قیام میلاد کے جواز کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی باوجودیکہ حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے اور آپ کو ماویٰ و ملجا سمجھتے تھے اور اپنے زمانے کے شیخ کامل اور ولی اور عارف ہونے پر یقین رکھتے تھے اور آپ کے خلفاء اور مجازین میں سے بھی تھے لیکن آپ میلاد کے قائل نہیں تھے۔

بلکہ ایک مرتبہ حج کے موقع سے جب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ کو کسی میلاد کی مجلس میں شرکت کے لئے جانا تھا تو حضرت حاجی صاحب نے جانے کے وقت مجلس میلاد میں شرکت کی دعوت دی تو حضرت گنگوہی نے اس کے جواب میں بہت ہی ادب کے ساتھ یہ کہتے ہوئے مجلس میلاد میں شرکت سے معذرت کر دی کہ حضرت میں تو ہندوستان میں میلاد سے لوگوں کو منع کیا کرتا ہوں، اس کے جواب میں حاجی صاحب نے کوئی نکیر نہیں فرمائی اور نہ ہی ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ اکیلے مجلس میلاد میں شرکت کے لئے حضرت حاجی صاحب چلے گئے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا مسلک ہی آگے چل کر علماء دیوبند کا مسلک بنا اور تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر مجلس میلاد کی ممانعت کے قائل ہو گئے اور فتوی بھی دینے لگے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی سیوہارہ میں تشریف فرما تھے ایک مجلس میں حضرات علماء کے درمیان میلاد کے مسئلہ میں گفتگو شروع ہوگئی، بحث کے دوران ایک صاحب نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی رائے جاننے کے لئے آپ کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ حضرت جس مسئلہ میں ہم لوگوں کی بحث چل رہی ہے اس کے سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بھائی میلاد نہ اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں، یہ مختصر سی بات کہہ کر آپ نے اپنی بات ختم کردی۔

لیکن میلاد کا مسئلہ آج بھی ایسا بنا ہوا ہے کہ علمائے دیوبند کے موقف ومسلک کی وضاحت کے باوجود کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں اس کی چنگاری دبی ہوئی راکھ سے نکلتی رہتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد صوفی اقبال صاحب جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور حضرت شیخ کے خصوصی معتمد اور شیخ کی طرف منسوب بہت سی کتابوں کے مرتب ومؤلف اور حضرت شیخ کے مشیر کار آپ کے قریب ترین اور مزاج شناس اور حضرت شیخ کے خلفاء میں سے تھے، انہوں نے اپنی زندگی کے آخری عمر میں اپنے متعلقین کے ساتھ مجلس میلاد کا قیام شروع کیا اور اس کے جواز کے قائل ہوگئے جس کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خلفاء ومتعلقین دو گروہ میں منقسم ہوگئے، اکثر حضرات نے صوفی اقبال صاحب کے اس عمل کو

غیر پسندیدہ قرار دیا اور اس سے دست برداری کا اعلان کیا جس کے سرخیل حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی تھے، لیکن صوفی اقبال اپنی رائے پر تاحیات قائم رہے۔

اسی طرح سماع کے سلسلے میں بھی اپنے اکابرین حقہ کا مزاج مختلف رہا ہے، اپنے اکابرین میں سے حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جیسے اہم اکابرین سماع کے قائل تھے۔

قبض باطنی کے ازالہ کے لئے یہ حضرات اکابر بلا مزامیر مشروط سماع کے ذریعہ قبض باطن کو دور کر کے فرح وانبساط کی کیفیت کا اعادہ کرتے تھے اور سماع کے درمیان وجد وتواجد کی کیفیت بھی طاری ہوتی تھی اور وہی وجد دراصل قبض باطن کا علاج ہوا کرتا تھا۔لیکن بعد والوں نے اس سماع کو اس حال پر باقی نہیں رکھا جس حال میں اکابرین کے یہاں یہ رائج تھا۔

بلکہ اس میں بہت سے منکرات بلکہ محرمات داخل ہوگئے جس کے دخول پر بعد والوں نے کوئی نکیر نہیں کی بلکہ اسی حال پر سماع کو جاری اور باقی رکھا۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابرین نے مطلقاً سماع کی حرمت کا فتوی دے دیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس سے ان منکرات کو ختم کر دیا جائے جو موجب حرمت ہیں تو قبض باطن کے علاج کے لئے سماع کی آج بھی گنجائش باقی ہے اور سماع کے نتیجہ میں وجد اور تواجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جو حال اور احوال بنتے ہیں سماع کے ثمرات میں سے ہیں وہ غیر ارادی کیفیت ہے جس کا انکار اور نکیر مشکل ہے چونکہ مشہور ضابطہ ہے:

إذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه و ارتفاع موانعه''

توچونکہ وجد وتواجد رقیق القلب کے لئے سماع کا ایک لازمی جز ہے اس لئے جہاں سماع ہوگا وہاں وجد کا آنا امر لابدی ہے۔

اس خادم کا ذاتی تجربہ

چنانچہ اس خادم کو اس کا ذاتی تجربہ بھی ہے اور وہ بھی ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ کا ہے اور کئی مقامات اور مختلف انواع کے افراد کا ہے۔

ایک مرتبہ یہ خادم دہلی پہونچا ان دنوں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب دہلی ذاکرنگر میں مقیم تھے اور اپنی بعض اہم بیماریوں کی وجہ سے اپولو کے زیر علاج تھے، حضرت قاضی صاحب کی قیام گاہ سے پہلے مفتی عبید اللہ صاحب اسعدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ سے ملاقات ہوگئی، ہم دونوں جب حضرت قاضی صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے تو قاضی صاحب کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور چار حضرات ملک وملت کے کسی اہم مسئلہ میں غور وخوض کر رہے تھے، جب خادم نے ہم دونوں کے آنے کی اطلاع حضرت قاضی صاحب کو دی تو قاضی صاحب نے فوراً ہم دونوں کو اندر بلا لیا، جب اندر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت قاضی صاحب تشریف فرما ہیں اور ان کے دائیں ہاتھ پر مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی بیٹھے ہوئے ہیں اور بائیں ہاتھ پر کمال صاحب اور ان کے بغل میں مولانا اسرار الحق صاحب بیٹھے ہوئے تھے

اور یہ چاروں حضرات کسی اہم مسئلہ میں غلطاں و پیچاں تھے، جس کی عکاسی وغمازی ان کے چہرے کرر ہے تھے، جس کو ہم دونوں نے محسوس کیا، اس کے بعد اس قبض کو دور کرنے کے لئے اور بسط لانے کے لئے حضرت قاضی صاحب نے اس خادم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ مفتی صاحب کچھ سنا دیجئے، سنا ہے آپ بہت اچھی قوالی سناتے ہیں، قاضی صاحب کی تائید مفتی عبید اللہ صاحب اسعدی نے کی اور دونوں حضرات نے اتنا اصرار کیا کہ صورت حال کے پیش نظر مجبوراً اس خادم کو وہ کلام سنانا پڑا جس کلام کو عام طور پر قوال اپنی قوالیوں میں پڑھا کرتے ہیں، اس میں ایک کلام بزبان فارسی شیخ خواجہ عثمان ہارونی کا تھا، دوسرا کلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا تھا، تیسرا کلام امیر خسرو کا تھا، چوتھا کلام حافظ شیرازی کا تھا۔

کلام خواجہ عثمان ہارونی

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم

تو آں قاتل کہ از بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خوں خوار می رقصم

بیاجاناں تماشہ کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم

خوشا رندی کہ پامالش کند صد پارسائی را
زہے تقوی کہ من با جبہ و دستار می رقصم
منم عثمان ہارونی کہ شیخ یار منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم

کلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی

بیکارم و باکارم چوں مد بحساب اندر
گویانم و خاموشم چوں خط بکتاب اندر
اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او درمن و من دروے چوں بو بہ گلاب اندر
در یا رود از چشمم لب تر نشود ہرگز
ایں رمز عجائب بیں لب تر نہ بآب اندر
گہ شادم و گہ غمگیں از حال خودم غافل
گہ گریم و گہ خندم چوں طفل بخواب اندر
در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بحباب اندر

کلام امیر خسرو

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سر و قدے لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں
سخن گفتن بمشکل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

کلام حافظ شیرازی

بہر سو جلوۂ دیدار دیدم
بہر چیزے جمال یار دیدم
ہمہ دیوانہ از زلف تو روئے
جنید و شبلی و عطار دیدم

نماز زاہداں محراب و ممبر
نماز عاشقاں بردار دیدم
چوں یک جرعہ رسی از وے بحافظ
ہمہ عقل و خرد بیکار دیدم

ترجمہ کلام شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی

ہوں بھی نہیں بھی کام کا جیسے ہو مد حساب میں
گویا بھی ہوں خموش بھی، تحریر سا کتاب میں
زاہد کم نظر نہ پوچھ، کتنا ہے دل کے وہ قریب
مجھ میں ہے وہ، میں اس میں ہوں جیسے ہو بو گلاب میں
دریا بہاؤں آنکھ سے پھر بھی رہوں میں خشک لب
رمز عجیب دیکھئے تشنہ ہوں جوئے آب میں
عالم بے خودی میں، میں شاداں کبھی، حزیں کبھی
روؤں کبھی، ہنسوں کبھی جس طرح طفل خواب میں
دل میں میرے سما گیا عشق خدائے ذو الجلال
کیا عجب ہے یہ کمال، دریا رہے حباب میں

جب یہ چاروں کلام مکمل ہوگیا تو حضرت قاضی صاحب نے پٹنہ کے ایک بزرگ کے حوالے سے فارسی کے درج ذیل اشعار سنائے اور یہ فرمایا کہ وہ بزرگ کہا کرتے تھے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت کا شوق دل پر غالب آتا ہے تو ایک خاص کیفیت میں میں یہ اشعار پڑھتا ہوں، اس کے بعد آپ کی زیارت ہو جاتی ہے، وہ اشعار درج ذیل ہیں:

اشعار

نسیما جانب کو یش گزر کن
بگو از نازنین دلشاد مارا
بتشریف قدوم خود زمانے
مشرف کن خراباں باز مارا
کہ بے دیدار تو اسباب شادی
نمی شاید دل ناشاد مارا

جب اس خادم نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھ بند کر کے یہ کلام سنانا شروع کیا تو چاروں کلام مکمل ہونے سے پہلے حضرت قاضی صاحب پُرنم آنکھوں اور لرزتی ہوئی زبان سے یہ فرمانے لگے مفتی صاحب بس کریں، مفتی صاحب بس کریں، مفتی صاحب بس کریں، ورنہ دل پھٹ جائے گا۔

قاضی صاحب کے یہ فرمانے کے بعد جب میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ چاروں صاحبان کا حال برا تھا، چاروں پر گریہ طاری تھا، آنسوں کی قطار لگی ہوئی تھی اور بدن میں ارتعاش اور کپکپی تھی اور چاروں کے چاروں رو رہے تھے، آدھے گھنٹے تک ان پر یہی کیفیت طاری رہی، اس کے بعد دھیرے دھیرے ان کی یہ کیفیت ختم ہوئی۔

(۲) اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی کا پٹنہ میں غالباً بارہواں سمینار تھا، المعہد العالی کی عمارت کی تکمیل کے بعد حضرت قاضی صاحب نے بطور افتتاح یہ پروگرام منعقد کیا، اس سمینار میں حسب معمول ہند و بیرون ہند کے مہمان شریک سمینار تھے، ایک دن عشاء کی نماز کے بعد مولانا مفتی عبید اللہ اسعدی، مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) اور دیگر کئی معاصر رفقاء مصر ہو گئے کہ مفتی صاحب آج مجلس ہونی چاہئے اور بزرگوں کا کلام جو آپ مخصوص لہجے میں پڑھتے ہیں سنا دیجئے، چنانچہ ان دوستوں نے مجبور کر کے زبردستی ایک ایسے کمرے میں لے کر مجھ کو پہنچ گئے جس کمرے میں پہلے سے حضرت مولانا یعقوب صاحب قاسمی مقیم حال لندن، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حکیم عبدالجلیل صاحب دہلی اور دیگر اکابر علماء موجود تھے، اس کمرے میں پہنچنے کے بعد رفقاء نے اصرار کرنا شروع کیا، بالآخر اپنے مخصوص انداز میں میں نے یہ چاروں کلام پڑھنا شروع کیا، جب کلام مکمل ہو گیا، میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ تمام حاضرین پر حال طاری ہے اور سب کی آنکھیں نم ہیں، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

اس کے بعد مولانا برہان الدین سنبھلی نے فرمایا کہ مفتی صاحب آج تک

کتابوں میں سماع اور وجد وتواجد کو پڑھتا رہا، حال، قال کو پڑھتا رہا، لیکن کبھی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، آج آپ کا کلام سننے کے بعد یقین آگیا کہ ہمارے بزرگوں پر سماع کے بعد جو حال طاری ہوتا تھا اور وجد کی کیفیت پیدا ہوتی تھی وہ فرضی نہیں بلکہ برحق ہے۔

(۳) اسی طرح ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند جانا ہوا، مولانا حبیب الرحمٰن جگدیش پوری کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، تھوڑی دیر بعد مولانا نوشاد اعظمی جوانجان شہید ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے اور جمعیت علماء ہند کے آرگنائزر تھے اور حضرت مولانا اسعد مدنی کے بہت منھ لگو تھے، تھوڑی دیر میں وہ اسی کمرے میں آگئے اور آنے کے بعد بے سر پیر کی باتیں، اٹا نگ پٹا نگ بکنا شروع کردیا جس کی وجہ سے مجلس بہت تلخ ہوگئی، اس کے بعد اس خادم پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور چاروں کلام پڑھنا شروع کردیا، اس کلام کو سننے کے بعد مولوی نوشاد سرد بستے میں چلے گئے، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے بار بار چھیڑنے کے باوجود ان کی زبان گنگ ہوگئی اور گھنٹوں ان پر سناٹا طاری رہا۔

(۴) اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک سمینار عمر آباد دارالسلام میں طے پایا جو کا کا سعید عمر آبادی کی دعوت پر طے پایا تھا۔ وہاں کا سفر وایا مدراس بائی روڈ ہور ہا تھا، ایک منی بس تھی جس میں دس بارہ سمینار کے مندوبین سوار تھے جن میں اس خادم کے ساتھ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا صدر الدین اورنگ آباد، مولانا سعود عالم صاحب قاسمی علیگڑھ اور دیگر حضرات تھے، کیونکہ سفر لمبا تھا، کئی سو کیلومیٹر کا سفر بس کے ذریعہ پورا ہونا تھا، اس لئے دوران سفر حاضرین مجلس نے مختلف عناوین پر گفتگو

شروع کی، اس بس میں جہاں حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی جیسے صاحب علم وفن تھے وہیں مولانا سعود عالم صاحب قاسمی جیسے بے لگام کچھ علماء بھی تھے، دوران گفتگو حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی بعض کرامتوں پر تنقید شروع کی گئی۔

خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی وہ کرامت جو بہت مشہور ہے، یعنی چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھنا، حاضرین میں سے بعض نے تنقید کرتے ہوئے جارحانہ رخ اپنایا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سنجیدگی کے ساتھ کتابوں کے حوالے سے اسے ثابت کرتے رہے، لیکن ناخوشگواری اتنی بڑھی کہ سفر مکمل ہونا بظاہر مشکل نظر آنے لگا۔

تب اس خادم نے خواجہ عثمان ہارونی خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اور امیر خسرو کا کلام اپنے مخصوص لب ولہجہ میں شروع کر دیا اور یہ مجلس دیر اور دور تک چلتی رہی اور نتیجہ یہ نکلا کہ سب پر حال طاری ہو گیا اور سب کا موضوع تبدیل ہو گیا اور پورا قافلہ بعافیت منزل مقصود یعنی عمر آباد پہنچ گیا۔

اس کے بعد مولانا صدر الدین صاحب اورنگ آبادی جس سمینار میں ملتے اس مجلس کا ضرور تذکرہ کرتے اور یہ بھی کہتے کہ ہمارے مفتی صاحب کے سماع کی برکت تھی کہ ہمارا سفر مدراس سے عمر آباد تک پورا ہو گیا، ورنہ ماحول ایسا بنا تھا کہ شاید کچھ لوگوں کو بس تبدیل کرنا پڑتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سماع کی وجہ سے جو حال پیدا ہوتا ہے وہ مخصوص انداز کی کیفیت بنتی ہے اور وجد طاری ہوتا ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ امر آخر ہے کہ اس کے ساتھ بہت سے منکرات ومحرمات کو لوگوں نے شامل کرلیا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت لغیرہ ہے لعینہ نہیں، لہٰذا اگر منکرات ومحرمات سے منزہ کرکے اس کو اس حال پر باقی رکھا جائے جس حال پر ہمارے اکابرین اور اسلاف نے باقی رکھا تو اس کے سننے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی کی خانقاہ کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی گنگوہ تشریف لے گئے، دوپہر کا وقت تھا، گرمی کا موسم تھا، پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی سہ دری میں ایک مٹی کا کورا لوٹا رکھا ہوا نظر آیا، آپ نے اس لوٹے کو اٹھایا اور کنویں پر تشریف لائے، کنویں سے پانی بھر کر نکال کر لوٹے میں رکھا اور لوٹے سے جب آپ نے پانی پیا تو پانی بہت کڑوا تھا۔

ظہر کے وقت جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے پورا قصہ آپ سے بیان فرمایا، آپ نے فرمایا کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں، لیکن جب اسی لوٹے میں پانی بھر کر منگوایا اور نوش فرمایا تو واقعتاً پانی کڑوا نکلا، اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تمام نمازیوں سے فرمایا کہ جس سے جتنا ہو سکے کلمہ طیبہ پڑھو اور

خود آپ نے بھی پڑھنا شروع کیا، اس کے بعد آپ نے بہت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ دعا فرمائی، اس کے بعد اس لوٹے کا بچا ہوا پانی جب نوش فرمایا تو تلخ کے بجائے شیریں نکلا، اس کے بعد سارے نمازیوں نے ایک ایک گھونٹ کر کے پیا، سب نے یہی بات کہی کہ پانی میٹھا ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ اس لوٹے کی مٹی اس قبر کی تھی جس پر عذاب ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے یہ پانی تلخ ہو گیا تھا، اب الحمد للہ کلمہ طیبہ پڑھ ہوا کر ایصال ثواب کی برکت سے وہ عذاب رفع ہو گیا جس عذاب میں صاحب قبر مبتلا تھا۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی کرامت تھی کہ آپ کو یہ محسوس ہو گیا کہ اس لوٹے کی مٹی کمہار جہاں سے لایا ہے وہ جگہ قبرستان کی ہے جہاں مردے دفن ہوتے ہیں، اور وہ مردہ عذاب قبر میں مبتلا ہے جس سے یہ مٹی بھی متاثر ہے، چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی برکت سے صاحب قبر سے وہ عذاب دور ہو گیا اور مٹی کی بو تبدیل ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا وجود جس طرح دنیاوی زندگی میں نافع ہے اسی طرح انکا وجود مرنے کے بعد بھی نافع ہے، اس لیے جہاں کہیں اور جس علاقے میں بھی اللہ والے موجود ہوں اس علاقے کے لوگوں کو خصوصاً ان کی قدر کرنی چاہئے اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصال ثواب ایک برحق عمل ہے، لہٰذا جو

لوگ اس کی حقانیت کے منکر ہیں ان کے غلط پروپیگنڈے میں لوگوں کونہیں آنا چاہئے بلکہ ہمارے اسلاف اوراکابرین قرآن وحدیث کی روشنی میں جس راہ پر ڈال کر گئے ہیں اس راہ پر چلتے رہنا چاہئے۔

حضرت نانوتوی کے انتقال پر حضرت گنگوہی کا اظہار تأسف

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے درمیان اگرچہ معاصرت تھی، لیکن دونوں حضرات میں ایک دوسرے کے علم وفضل اور ولایت وبزرگی کا احترام بھی بہت زیادہ تھا جس کے متعدد واقعات گزشتہ مجالس میں آچکے ہیں۔

حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا انتقال ہوگیا تو مجھ سے خود حضرت مولانا ارشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ تیس برس کی محنت اور ریاضت ومجاہدے سے دل میں جو کیفیت قائم ہوئی تھی وہ مولانا قاسم نانوتوی کے انتقال کے بعد نہیں رہی۔

اس کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا قاسم نانوتوی تو اب اس دنیا سے جاچکے ہیں، ہمارے صدمے سے تو واپس نہیں آسکتے، وہ تو اللہ کی مرضی سے آئے تھے، اللہ کی مرضی سے چلے گئے، لیکن رونا اپنے اوپر آرہا ہے کہ تیس برس کی مشقت کے بعد قلب میں جو ایک کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ اب جارہی ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا یہ تھے ہمارے وہ اکابر جن کا ہم نام لیتے نہیں تھکتے، لیکن ایک دوسرے کا احترام اتنا تھا کہ کسی بھی مرحلے میں ایک دوسرے کی عظمت اور تقدس کو آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔

آج تو ہمارا حال یہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا شروع کر دیتے ہیں اور ہر لمحہ دوسروں کو زیر کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

افسوس تو تب ہوتا ہے جب آج کل کے نوجوان لونڈے اپنے اساتذہ اور بڑوں کو تو درکنار اپنے ماں باپ کو اپنے سے کمتر و کہتر سمجھتے ہیں اور اپنے کو خادم قوم وملت جیسے القاب سے بڑے فخر کے ساتھ ملقب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بازی مار لے گئے اور یک لخت ماں باپ کے سارے احسانات کو فراموش کر کے ابلیسی مزاج پر اتر جاتے ہیں اور کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ میں تو اپنے باپ سے زیادہ باشعور اور دانا ہوں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جو کچھ بھی تھوڑی بہت نام کی دانائی ہے وہ بھی باپ ہی کا دین ہے جس دین کو ایسے لوگ زندگی بھر نہیں ادا کر سکتے، لیکن مجبوراً اللہ کی بارگاہ میں مدیون بن کر پہنچنا ہی پڑے گا اور اس دین کو ادا کرنا ہی پڑے گا۔ فالی اللہ المشتکی۔

چندہ لینے کے اصول

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

جب ہمارے اکابرین بالخصوص حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے تحفظ اسلام

ومسلمین اور بقاء شعائر اسلام و دین کے لئے ہندوستان میں مدارس کی ضرورت محسوس کی اور دارالعلوم دیو بند کی بنیاد ڈالی تو اس کے لئے اصول ہشت گانہ مرتب فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان مدارس کو مکمل انابت الی اللہ کے ساتھ چلایا جائے اور غریب عوام کے چندوں پر اس کا انحصار کیا جائے، امراء و اغنیاء کے چندوں سے حتی المقدور و حتی الامکان گریز کیا جائے، اور اس وقت سے آج تک لاکھوں کی تعداد میں مدارس اور مکاتب کا قیام عمل میں آیا اور سب کا انحصار عوامی چندے پر رہا اور ہے۔

اس وقت بڑی حیرت ہوتی ہے جب بعض فضلاء جو انہی مدارس کے چندوں کے پیسوں سے پل پھول کر اور علم کی دولت سے مالا مال ہو کر کسی ادارے میں دینی خدمت پر مامور ہوتے ہیں تو اپنی ترجیحات و شرائط میں پہلی شرط یہ رکھتے ہیں کہ میں چندہ نہیں کروں گا اور مجھے چندے سے مستثنیٰ رکھا جائے اور جب اس کی وجہ ان سے پوچھی جاتی ہے تو اس کی علت خفیہ بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ چندے میں بڑی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ میرے بس کا روگ نہیں۔

ایسے حضرات سے کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب آپ کو اپنی عزت نفس کا اتنا ہی خیال تھا تو مدرسے میں داخل ہی کیوں ہوئے اور سالوں سال تک اپنے بڑے اور بزرگوں کے کئے ہوئے چندوں سے مستفید کیوں ہوتے رہے، آپ نے اپنے لئے کسی کالج یا یونیورسٹی کا انتخاب کیوں نہیں کیا اور کیا آپ کے وہ بڑے جو آپ کی سہولت فراہم کرنے کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتے رہے وہ عزت نفس کے مالک نہیں تھے؟ نیز جب اتنے ہی بڑے آپ ہیں تو پھر ذریعہ معاش کے لئے مدرسے کا

انتخاب کیوں کیا، کسی کالج یا یونیورسٹی میں ملازمت تلاش کرنی چاہئے تھی یا اپنا کوئی ذاتی کاروبار کرنا تھا۔

بہرحال یہ سوچ بہت سطحی سوچ ہے جو اپنے اکابرین کی سوچ وفکر سے میل نہیں کھاتا، ایسے نوجوان فضلاء کو اپنی سوچ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے زمانے میں بھی اسی انداز کا ایک واقعہ پیش آیا، ایک صاحب حضرت شیخ الہند کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ حضرت چندے کا کام بہت مشکل ہے، اس لئے کہ چندہ مانگنے میں ذلت ورسوائی بہت ہوتی ہے اور بغیر چندے کے مدارس کا چلنا چلانا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ اس کا انحصار عوامی چندے پر ہے۔

حضرت شیخ الہند نے پوری بات سننے کے بعد فرمایا کہ یہ غلطی تو تمہاری ہے کہ تم امراء اور اغنیاء کے دروں کا چکر لگاتے پھرتے ہو اور موٹی رقم حاصل کرنے کے چکر میں پڑے رہتے ہو، چندہ لینا ہو تو غریب مسلمانوں سے لیا کرو، وہ بے چارے خالی ہاتھ واپس بھی نہیں کرتے اور جو کچھ بھی تھوڑا بہت دیتے ہیں خلوص اور محبت اور تواضع سے دیتے ہیں، ان کو ناموری اور شہرت کی خواہش نہیں ہوتی اور غریبوں سے مانگنے میں کوئی ذلت بھی نہیں ہے، وہ ذلیل بھی نہیں کرتے، ذلیل تو امراء واغنیاء اور صاحب ثروت کیا کرتے ہیں، وہ کڑوی کسیلی سنانے کے عادی ہوا کرتے ہیں۔

گویا کہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا کہ غریبوں سے چندہ لیا کرو، ذلت والے مسئلہ کا سد باب کر دیا کہ یہ سارا تخیل اس امر پر مبنی ہے کہ مالداروں کے در

کا چکر لگایا جائے، غریبوں کے پیسوں میں برکت بھی ہے اور عزت بھی۔

اسی لئے جب سے مدارس میں سعودیہ اور خلیجی ممالک سے پیسے آنے لگے، فتنوں نے جنم لینا شروع کر دیا اور بعض مدارس میں تو اتنے بڑے بڑے فتنے وجود میں آئے کہ مدارس کی عزت وناموس کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ملفوظ

اسی موقع پر جب بہت سے بڑے بڑے مدارس فتنے کی آگ میں جل رہے تھے تو حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے کسی صاحب نے سوال کیا کہ حضرت مدارس میں ان فتنوں کی وجہ کیا ہے تو حضرت نے برجستہ فرمایا کہ ڈالر اور پونڈ دراہم ودینار اور ریالات سب پٹرول کی پیداوار ہیں اور جہاں پٹرول پہنچے گا وہاں آگ لگے گی ہی۔

چنانچہ جب تک غرباء کے چندوں سے یہ مدارس چلتے رہے اس وقت تک ان مدارس میں سکون رہا اور جب سے ڈالر اور پونڈ اور ریال ودرہم کی آمد شروع ہوئی مدارس آتش کدہ بن گئے۔

اس لئے آج بھی ضرورت ہے کہ اہل مدارس ہر نوع کی قناعت اور کفایت شعاری کو ترجیح دیں اور بڑی رقموں کے بجائے چھوٹی رقموں پر انحصار کریں، ان شاء اللہ اپنے اسلاف کے دور کا سکون عود کر آئے گا اور مدارس اخلاص کا گہوارہ بن جائیں گے۔

مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی بہرائچی کا ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس کے ضمن میں ہمارے دوست کا ایک واقعہ یاد آیا وہ بھی سناتا چلوں، مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی جو مولانا کلیم اللہ نوری کے برخوردار تھے اور نور العلوم بہرائچ کے ایک مؤقر ادارے کے اہتمام اور تدریس کے فرائض سے وابستہ تھے، رمضان المبارک میں معمول کے مطابق ۱۹۸۱ء میں فیض آباد شہر میں چندہ کے لئے آئے، تراویح کے بعد اس خادم کی ان سے ملاقات ہوئی جو پہلی ملاقات تھی، کہنے لگے مفتی صاحب میں سوچتا ہوں کہ اس وقت کے جو مشائخ ہندوستان میں موجود ہیں ان کو ایک خط لکھوں اور ان بزرگوں سے یہ درخواست کروں کہ اس ماہ مبارک میں خانقاہوں میں بلا کر ان سے جو مجاہدات کرائے جاتے ہیں جس کا حاصل نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بنانا ہوتا ہے اور جس کا خلاصہ نفس کشی ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان سے درخواست کروں کہ اس نفس کشی کے لئے بجائے مجاہدات اور ضربیں لگوانے کے ان سے صرف رمضان کے مہینے کا چندہ کروالیا جائے، خانقاہ میں ضربوں کے ذریعہ جتنا نفس نہیں ٹوٹے گا اس سے کہیں زیادہ چندے کے لئے چلنے پھرنے سے ان کا نفس ٹوٹ جائے گا۔

اس کے بعد کہنے لگے کہ مفتی صاحب سال بھر ہم میں سے کوئی کسی ادارے کا مہتمم بنا رہتا ہے، کوئی کسی ادارے کا شیخ الحدیث، کوئی صدر مدرس بنا رہتا ہے اور کوئی صدر مفتی اور مدرسہ کی چہار دیواری میں ہر طرح کی خدمت گزاری میسر اور فراہم رہتی ہے اور

سال بھر بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کی وجہ سے ہم لوگوں کا نفس پھول کر بھینسا ہوجاتا ہے اور ایک قسم کی تعلي ذہنوں میں پیدا ہوجاتی ہے، لیکن گیارہ مہینے کے بعد ایک مہینے کے لئے مدرسے کی چہار دیواری سے باہر نکل کر چندے کے لئے عوام کے در در گھومنا پڑتا ہے اور عوام کی کڑوی کسیلی برداشت کرنی پڑتی ہے تو سال بھر کی وہ تعلي ڈھل کر خاک ہوجاتی ہے اور موٹا نفس اتنا مضمحل اور کمزور ہوجاتا ہے کہ اس کو عید کی خوشی بھی محسوس نہیں ہوتی۔

مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی نے اپنے ظریفانہ انداز میں یہ پوری حکایت اس طرح سنائی کہ حاضرین اپنا قہقہہ نہیں روک پائے لیکن جو بات انہوں نے کہی وہ مبنی برحقیقت تھی کہ چندے کا کام ایسا کام ہے کہ جس سے نفس ودماغ کی تعلي اور نفس کا موٹاپن سب جاتا رہتا ہے، اس لیے جو لوگ ان امراض کے شکار ہوں ان کو یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔

ہمارے اکابر کا اکرام ضیف

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

مہمان کا اکرام اور اس کی خدمت یہ خالص اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے، یوں تو مہمان کے اکرام اور خدمت کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی لیکن اس کی ترویج واشاعت قولاً وفعلاً جس انداز سے اور جس اہتمام سے حضرت نبی پاک ؐ نے کی اس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ملتی۔ چنانچہ حضرت نبی پاک ؐ نے مہمانوں پر خرچ واخراجات کی جو فضیلت بیان کی اور جس انداز سے ترغیب دیا وہ یقیناً قابل عمل

اور قابل دید ہے، ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبی پاک ؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مہمان پر ایک درہم خرچ کرے وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے اللہ کے راستے میں ایک ہزار دراہم خرچ کیے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس شخص کے یہاں مہمان آئے اور وہ اس کا اکرام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں جنت کا ایک دروازہ کھول دیتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو خود کھڑے ہو کر خدمت فرمایا کرتے تھے، کسی صاحب نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول ؐ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس گھر میں کوئی مہمان ہوتا ہے تو فرشتے اس کے اکرام میں کھڑے رہتے ہیں، اس لئے مجھے حیا آتی ہے کہ فرشتے کھڑے ہوں اور میں بیٹھا رہوں۔

اسی طرح حضرت نبی پاک ؐ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل نے یہ بات بتلائی کہ جب کسی مسلمان کے گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو ہزار برکتیں ہزار رحمتیں لے کر گھر میں آتا ہے اور مہمان کی برکت سے اس گھر کے سارے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر اور درختوں کے پتوں کے برابر کیوں نہ ہوں اور مہمانوں کی آمد کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو ایک ہزار شہیدوں کا ثواب مرحمت فرماتے ہیں اور مہمان جتنے لقمے کھاتا ہے ہر لقمے کے بدلے میزبان کے لئے ایک مقبول حج اور مقبول عمرہ کا ثواب لکھا جاتا ہے اور مہمان کی خدمت کے بدلے میزبان کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک شہر تعمیر فرما دیتے ہیں اور

جس شخص نے کسی مہمان کا اکرام کیا وہ ایسا ہے گویا کہ اسنے ستر نبیوں کا اکرام کیا۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابرین کے یہاں مہمانوں کا اکرام اس درجہ تھا کہ ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔

حضرت شیخ الہند کا واقعہ

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ایک ہندو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے یہاں مہمان بنا، رات میں سونے کے لئے بستر وغیرہ کا نظم کر دیا گیا جب سارے لوگ گہری نیند سو گئے تو حضرت شیخ الہند اپنے بستر سے اٹھے اور ہندو مہمان کا پاؤں دبانے لگے اور وہ ہندو خراٹے لے کر سوتا رہا، جب اس عمل پر ایک صاحب کی نظر پڑی تو وہ اپنا بستر چھوڑ کر آئے اور حضرت شیخ الہند کے پاس پہنچ کر انہوں نے اس کی پوری کوشش کی کہ حضرت کے بجائے یہ خدمت میں انجام دے دوں، حضرت شیخ الہند نے یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا کہ مہمان میرے ہیں تمہارے نہیں اور خدمت کا حق مجھ کو ہے تم کو نہیں، یہ جواب سن کر وہ صاحب مجبوراً اپنے بستر پر واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا، یہ تھے ہمارے اکابر یہ تھا انکا اکرام ضیف، آج کے ہمارے نوجوان فضلاء وعلماء تو ان باتوں کو سوچ بھی نہیں سکتے، آج کے زمانے میں تو ماں باپ کے پاؤں دبانے کو بھی آج کل کے لڑکے عیب اور اپنی بے عزتی تصور کرتے ہیں، چہ جائیکہ کسی مہمان کی خدمت کی توفیق

نصیب ہو جائے، یہ تو دور کی بات ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا ملفوظ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مہمانوں کا کھانا بے حساب ہوتا ہے، یعنی مہمانوں کی آمد پر اگر میزبان تکلفات سے کام لے اور مختلف الانواع کے کھانے اور سالن اور سبزیاں اور پھل وغیرہ دسترخوان پر جمع کروا دے تو اس کا ان شاء اللہ کل قیامت کے دن کوئی حساب نہیں ہوگا اور اگر اپنی ذات کے لئے مختلف الانواع واقسام کے سالن کوئی شخص دسترخوان پر جمع کروائے تو اس پر کل قیامت کے دن سوال ہوسکتا ہے۔

اس لیے حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اور جی بڑا خوش ہوتا ہے کہ چلو ان کے بہانے ہمیں بھی اچھا کھانے کو مل جائے گا اور مہمانوں کے لئے حضرت شیخ قرض لینے میں بھی کوئی تکلف نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تکلفات سے دریغ فرمایا کرتے تھے۔

مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا واقعہ

چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر دلی آیا اور اس نے آپ سے

ملاقات کی خواہش ظاہر کی، حضرت شیخ نے ان کو ملاقات کی اجازت دے دی اور ان کے آنے سے چند روز پہلے سے ہی اس کے اکرام میں لگ گئے، پورے ہندوستان میں اس وقت جتنے اقسام کے پھل میسر تھے وہ آپ نے منگوائے، حتی کہ بعض فواکہات پاکستان اور بنگلہ دیش سے آپ نے منگوائے اور جب وہ آئے تو ان کے اکرام میں اتنا لمبا دسترخوان آپ نے بچھوایا کہ کچے گھر کا پورا چبوترہ بھر گیا اور جب وائس چانسلر نے کھانا شروع کیا تو کسی پلیٹ کی طرف دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی نوبت نہیں آئی، اس طویل وعریض دسترخوان کو دیکھ کر وہ حیران و دنگ رہ گیا، چونکہ ہندوستان میں اتنے لمبے چوڑے دسترخوان کو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، جب وائس چانسلر کے سامنے وہ پلیٹ کی گئی جس میں سموسے رکھے ہوئے تھے تو اس کو سمجھ نہیں پایا، اس نے بغل میں بیٹھے ہوئے بزرگ یعنی حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب سے سوال کیا کہ ''ایش ہذا'' یہ کیا ہے؟ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے مسکراتے ہوئے برجستہ جواب دیا ''هذا ذو القرنين'' ۔اس جواب پر بہت دیر تک دسترخوان پر قہقہہ لگتا رہا۔

حضرت تھانوی کے دسترخوان پر حضرت سہارنپوری کا اکرام

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری تھانہ بھون تشریف لے گئے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے آپ کی آمد پر بہت

ہی پرتکلف اور لمبے چوڑے دسترخوان کا نظم فرمایا، جب کھانے کے لئے حضرت سہارنپوری تشریف لے گئے تو لمبے چوڑے پُرتکلف دسترخوان کو دیکھ کر حضرت سہارنپوری نے حضرت تھانوی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تو سنتا تھا کہ آپ بہت اصولی ہیں لیکن دسترخوان دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ آپ بہت بے اصولی ہیں، حضرت تھانوی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت دسترخوان میزبان کے اصول کے مطابق نہیں بلکہ مہمان کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے، آپ کی جو حیثیت ہے دسترخوان اب بھی اس سے کم ہے، یہ جواب سن کر حضرت سہارنپوری خاموش ہو گئے اور جی بھر کر کھانا نوش فرمایا۔

حضرت تھانوی کا ملفوظ

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پاک میں جس اکرام ضیف کا تذکرہ ہے اس کا مفہوم بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اکرام کس کو کہتے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ اکرام کہتے ہیں مہمان کی راحت اور مقام کا خیال رکھنا، لہٰذا میزبان کو چاہئے کہ وہی کام کرے جو مہمان کے مقام کے مناسب ہو اور جس میں اس کو راحت ہو۔

حضرت تھانوی کی یہ بات بہت دقیق ہے اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مقروض کی دعوت کراہت سے خالی نہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

دعوت دینا اور دعوت کھانا اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک محمود عمل ہے جس کی ترغیب احادیث میں بھی آئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ دعوت کے سلسلے میں کچھ ہدایات بھی احادیث اور فقہاء کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان ہدایات کا اہتمام والتزام بھی ضروری ہے۔

ہمارے اکابرین باوجودیکہ وسیع القرض اور وسیع الظرف ہوتے تھے، پھر بھی ان امور میں باریک بینی سے کام لیا کرتے تھے اور ان حضرات کی بعض چیزوں میں باریک بینی خوردوں کے لئے مشعل راہ ہے، بڑوں کی اتباع کا تقاضہ یہ ہے کہ ان باریک نظر پر بھی نظر رکھی جائے اور اس کی اتباع کی بھی کوشش کی جائے تاکہ خوردوں کو سلف کے خیر خلف ہونے کا شرف حاصل ہو سکے۔

حضرت حبیب الامت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحب نے حضرت شاہ اسحاق صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا مظفر خان صاحب کاندھلوی کی دعوت کی، حضرت شاہ اسحاق صاحب اور مولانا یعقوب صاحب نے دعوت منظور کرلی، لیکن مولانا مظفر خان کاندھلوی نے معذرت کردی اس پر نواب قطب الدین خان صاحب کو بڑا رنج ہوا اور اس کی شکایت انھوں نے حضرت شاہ اسحاق صاحب سے کی حضرت شاہ صاحب نے مولانا مظفر حسین صاحب کو بلا کر مواخذہ فرمایا، مولانا نے جواب میں فرمایا کہ حضرت نواب صاحب بہر حال نواب

زادے ہیں، اس لیے دعوت میں وہ تکلف سے باز نہیں آئیں گے اور مجھ کو معلوم ہے کہ وہ مقروض بھی ہیں، لہٰذا جتنا پیسہ وہ دعوت پر خرچ کریں گے اس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکتے ہیں، ایسی حالت میں ان کا کھانا میرے نزدیک کراہت سے خالی نہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت شاہ صاحب مطمئن ہوگئے بلکہ مولانا مظفرحسین صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے نواب صاحب کی دعوت سے معذرت کردی۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کہ یہ حضرت مولانا مظفرحسین صاحب کی باریک بینی تھی کہ ان کی نگاہ مسئلہ کی اس گہرائی تک پہنچ گئی جہاں تک عام طور پر نگاہ نہیں پہنچتی ہے اور اس کے لیے حضرت شاہ صاحب نے بھی ان کی رائے کی تائید فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر خوردوں کے ذہن میں کوئی بات ہو تو بزرگوں سے ادب کے دائرے میں پیش کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے، بعض مرتبہ خوردوں کے ذہن میں من جانب اللہ ایسی بات آجاتی ہے جس سے بزرگوں کا ذہن خالی ہوتا ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کہ خورد ادب کے دائرے میں اپنی بات بزرگ سے پیش کردے۔

اس طرح کے واقعات ہر دور میں ملتے ہیں، چنانچہ خود دور نبوی میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض مسائل میں حضرت عمرؓ کی رائے الگ رہی اور ان کی رائے سننے کے بعد حضرت نبی پاک ؐ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور انھیں کی رائے کے موافق فیصلہ فرمایا، اس لئے اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے کہ خورد اپنی بات اور اپنی رائے اپنے بزرگ سے ادب کے دائرے میں پیش کردے۔

جذبۂ خدمتِ خلق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ہمارے اکابرین واسلاف جہاں عبادت وریاضت میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور تقرب خداوندی میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے وہیں خدمت خلق میں بھی پیش پیش رہتے تھے اور ہمیشہ ان کی نظر اس بات پر رہتی تھی کہ طریقت صرف عبادت وریاضت کا نام نہیں صرف تسبیح اور سجادہ میں طریقت منحصر نہیں بلکہ طریقت کا ایک اہم جز خدمت خلق بھی ہے ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

چنانچہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی جو حضرت مولانا محمود بخش صاحب کے لڑکے تھے اور حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھتیجے تھے اور حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب دہلوی کے شاگرد بھی تھے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مرید تھے، درس وتدریس سے آپ منسلک نہیں تھے، البتہ کبھی کبھار کسی مسجد میں کبھی مستورات میں وعظ فرمادیا کرتے تھے، گاڑھے کا کرتہ پائجامہ نیلی لنگی آپ کا لباس تھا، سیدھی سادھی زندگی بسر کرنے کے آپ عادی تھے، عموماً پیدل سفر کرتے تھے، سامان سفر میں آپ کے ساتھ ایک لوٹا ایک لکڑی لنگی اور مشکیزہ ہوا کرتا تھا جہاں شام ہوجاتی وہاں آپ کبھی کسی مسجد میں کبھی کسی کے گھر میں قیام فرمالیتے،

اپنی سوکھی روٹی جو اپنے ساتھ رکھتے وہ کھا لیتے اور صبح کو اگلے سفر پر روانہ ہو جاتے، گویا کہ آپ کی زندگی اس شعر کی مصداق تھی ؎

ایک جگہ رہتے نہیں عاشق بدنام کبھی
صبح کہیں شام کہیں دن کہیں اور رات کہیں

ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک بوڑھا شخص ملا جو اپنے سر پر ایک گھٹری رکھے ہوئے تھا، لیکن وہ گٹھری وزنی تھی کو جس لے کر چلنے میں اس کو دشواری ہو رہی تھی، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے جب بڑے میاں کا یہ حال دیکھا تو ان سے سامان کا بوجھ لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کو اس کے منزل پر پہنچایا، منزل پر پہنچنے کے بعد بڑے میاں نے ان سے پوچھا اجی تم کہاں کے ہو؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا میں کاندھلہ کا ہوں، اس کے بعد بڑے میاں نے ان سے کہا کاندھلہ میں ایک مولوی مظفر حسین ہیں وہ بڑے اللہ والے ہیں اور اس کے بعد اس نے بہت لمبی تعریف کی، حضرت مولانا خاموشی کے ساتھ سنتے رہے، اخیر میں فرمایا ہاں ان میں کوئی خاص بات تو نہیں ہے، البتہ وہ پانچوں وقت نماز کے پابند ہیں، بڑے میاں نے مولانا کا یہ جواب سن کر فرمایا میاں اتنے بڑے اللہ والے کے بارے میں تم اتنی بڑی بات کہو ہو، اتنے میں ایک صاحب آ گئے جو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے واقف تھے، انھوں نے آ کر یہ راز کھول دیا کہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی جن کی تم بات کر رہے ہو وہ یہی تو ہیں، بڑے میاں یہ سن کر حضرت مولانا سے لپٹ گئے اور بہت روئے، ان کے ساتھ حضرت مولانا بھی دیر تک روتے رہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کا کمال تستر تھا کہ توانھوں نے اپنے کو ہمیشہ چھپا کر عام لوگوں کی طرح اپنے کو رکھا جس کی وجہ سے عام لوگ پہچان بھی نہیں سکے، یہی حال حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا بھی تھا کہ وضع قطع اور لباس میں بے پناہ سادگی تھی، عام لوگ آپ کو پہچان بھی نہیں پاتے تھے، چلتے پھرتے راستے میں خدمت خلق کے اس انداز کے واقعات آپ کے بھی ملتے ہیں۔ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کاندھلہ تشریف لارہے تھے، راستے میں ایک شخص ملا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کہاں جاؤگے؟ اس نے جواب دیا کہ کاندھلہ مولانا مظفر حسین صاحب کے پاس جارہا ہوں، آپ نے اس مسافر کا سامان لیا اور اپنے سر پر رکھ لیا اور کاندھلہ تک اس کو پہنچایا، جب کاندھلہ پہنچ کر اس مسافر کو یہ معلوم ہوا کہ آپ ہی مولانا مظفر حسین صاحب ہیں تو بہت نادم اور شرمندہ ہوا، اس کی شرمندگی کو دیکھ کر اس کو تسلی دیتے ہوئے آپ نے فرمایا، اس میں پشیمانی کی کیا بات ہے، میں خالی ہاتھ تھا اور تمہارے پاس سامان تھا، اللہ نے تمہاری خدمت مجھ سے لے لی، اس میں پشیمانی کی کوئی بات نہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا معمول یہ تھا کہ جب کاندھلہ میں ہوتے تو اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے اور محلے کے اعزا وا قارب کے دروازے پر جاتے اور دستک دے کر یہ معلوم کرتے کہ بازار سے کچھ منگانا ہے، اگر کسی کو کچھ منگانا ہوتا تو بلا تکلف سامان کی قیمت جو غلے کی شکل میں ہوا کرتی تھی کرتہ یا لنگی میں

باندھ لیتے اوراس کے بدلے میں بازار سے سامان خرید کر گھر پہنچادیتے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے چھ حج پیدل کیے، آخری سفر میں ابھی آپ مکہ مکرمہ نہیں پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے کافی کمزوری آگئی، لیکن جیسے تیسے آپ مکہ مکرمہ پہنچے، حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ میں موت آتی، لیکن لگتا ہے مدینہ منورہ پہنچنا مشکل ہے، اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ کچھ روز کے بعد آپ کی طبیعت اچھی ہوگئی اور اگلے ہی دن آپ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے، مدینہ پہنچنے میں ابھی ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور دس محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵؍مئی ۱۸۶۶ء جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوگیا اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے قبر کے پاس آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

بڑوں کا انداز تعلق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ہمارے بڑے کے تعلقات میں گرویدگی وفریفتگی کے ساتھ تعلقات کا ایک مخصوص انداز جو دیکھنے کو ملتا تھا وہ چیز اب تعلقات میں عنقا ہوتی جارہی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں جو سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں، جن کا شمار صاحب کشف وکرامت، اونچے بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ کا کشف

اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آپ مریدین کو مقاماتِ عالیہ کی بشارتیں بھی دیا کرتے تھے۔
اسی کے ساتھ آپ کو کشف قبور کی دولت بھی حاصل تھی۔

حضرت مرزا صاحب کے بچپن کے ایک دوست تھے، جن سے بہت بے تکلفانہ دوستی تھی، اور اس بے تکلفی میں ہاتھا پائی بھی ہوا کرتی تھی، حضرت مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تصوف کی لائن میں داخل ہوئے اور اجازت یافتہ ہوکر ایک مقام پر پہنچ گئے تو ایک دن یوں ہی اس دوست کا خیال آیا کہ دیکھیں اس کا کیا حال ہے؟ جب میں نے اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کو اپنے مقام سے بہت اونچا پایا، اس کے بعد میں نے بے تکلفی ختم کر کے اس کا ادب واحترام شروع کر دیا، لیکن وہ اس پر مصر رہا کہ ہم دونوں میں جو بے تکلفی بچپن سے رہی ہے، اسی بے تکلفی پر آپ قائم رہیں۔ لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن میرے دوست نے توجہ کے ذریعے میری ساری باطنی کیفیات سلب کر لیں اور باطنی اعتبار سے مجھ کو کورا کر کے رکھ دیا۔

اس کے بعد میں نے اپنے دوست کی خوشامد شروع کر دی کہ میری کیفیات جو تم نے سلب کر لی ہیں اسے واپس کر دو، اس نے کہا کہ اس شرط کے ساتھ واپس کروں گا کہ تم میرے ساتھ وہی برتاؤ جاری رکھو گے جو بچپن میں میرے ساتھ کیا کرتے تھے اور وہ برتاؤ یہاں نہیں؛ بلکہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں سارے لوگوں کے سامنے میرے ساتھ کرنا ہوگا، جب حضرت مرزا صاحب نے وعدہ فرمالیا، تب ان کے دوست نے ان کی باطنی کیفیات کو واپس کیا۔

اس کے بعد حضرت مرزا صاحب کا معمول یہ بن گیا کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد

میں ادا کرنے کے بعد شرقی دروازے سے نکلتے، شرقی دروازے کی شمالی سہ دری میں ایک مصلی بچھائے اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوتے تھے، جب ان کے پاس حضرت مرزا صاحب پہنچتے تو ان کو لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور ان کا مصلیٰ چھین کر پھینک دیتے، ان کے سامنے رکھا ہوا مٹی کا لوٹا توڑ دیتے اور یہ سب کچھ ایک زمانے تک ہوتا رہا۔

یہ تھے ہمارے اکابر اور یہ تھا ان کا اندازِ تعلق کہ بڑھاپے میں بھی بچپن کے تعلقات کو زندہ رکھتے تھے اور اس کی چاشنی سے محظوظ ہوتے تھے۔

چونکہ ہمارے بڑے تعلق مع اللہ کے ساتھ سادگی کا مرقع ہوا کرتے تھے، اس لیے وہ ان باتوں کی کم فکر کیا کرتے تھے کہ دنیا والے کیا کہیں گے اور دنیا کیا سوچے گی، ہمارے بزرگوں کی یہ سادگی اور ان کا یہ انداز کاش آج کے نام نہاد متصوفین کو اس کا کچھ شمہ مل جاتا۔

عدم معرفت کی وجہ سے ناقدری

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت مالک بن دینار جن کی کنیت ابو یحییٰ تھی، ائمۂ طریقت میں آپ کا شمار کبار اولیاء میں ہوتا ہے، آپ صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں سے ہیں، آپ کے والد کا نام دینار تھا، اس لیے مالک بن دینار کے نام سے آپ مشہور ہیں، آپ کے والد غلام تھے اور غلامیت ہی کی حالت میں آپ کی پیدائش ہوئی، اس لیے آپ غلام زادہ سے پہچانے جاتے تھے۔ حضرت حسن بصری کے آپ معاصر تھے اور بعد میں

آپ ہی کے دستِ مبارک پر توبہ کی اور بیعت ہوئے اور ریاضت ومجاہدہ کے مختلف ادوار سے گزر کر صاحب کشف وکرامت اولیاء میں شمار ہونے لگے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کشتی پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے، کشتی جب منجدھار میں پہنچی تو ملاح نے سب سے کرایہ وصول کرنا شروع کیا، جب آپ کی باری آئی تو آپ نے کرایہ دینے سے یہ کہہ کر معذرت کردیا کہ میرے پاس کرایہ دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اس کے جواب میں ملاح نے آپ کو برا بھلا کہنے کے ساتھ اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے، جب آپ ہوش میں آئے تو ملاح نے دوبارہ کرایہ کا مطالبہ کیا، اس کے ساتھ یہ دھمکی دی کہ اگر کرایہ نہیں دیا تو ہم تم کو دریا میں پھینک دیں گے۔

ملاح کی اس بدتمیزی کے بعد اللہ کی قدرت جوش میں آئی اور سینکڑوں مچھلیاں کشتی کے گرد وپیش جمع ہوگئیں، جن کے منھ میں دینار تھا، حضرت مالک بن دینار نے انھیں مچھلیوں میں سے ایک مچھلی کے منھ سے ایک دینار لیا اور ملاح کو دے دیا۔

ملاح نے جب یہ ماجرا دیکھا تو حیران وششدر رہ گیا، اس کے بعد آپ کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا کہ ہم نے آپ کو پہنچانا نہیں۔

حضرت مالک بن دینار اس کے بعد کشتی سے اترے اور پانی کی سطح پر چلنے لگے اور چلتے چلتے سب کی نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ منظر دیکھ کر کشتی پر بیٹھے سارے مسافر اور ملاح حیران ودنگ رہ گئے۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہر زمانے میں بعض اہل اللہ کے ساتھ اس طرح کی ناپسندیدہ حرکت ہوتی رہی ہے اور یہ سب

کچھ اس وجہ سے ہوتا رہا کہ ان اللہ والوں کو اس وقت کے لوگوں کی نظریں پہچان نہیں سکیں، اس لیے کسی بھی شخص کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت یا نازیبا و پلید جملہ نکالنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچ لینا چاہئے۔

حضرت مالک بن دینار یہ پہلے وہ تابعی بزرگ ہیں جو ہندوستان کے کیرلا علاقہ میں تبلیغِ دین واشاعتِ دین کے لیے تشریف لائے۔

چالیس دن گوشت نہ کھانے کی وجہ سے کیا عقل میں نقص آجاتا ہے؟

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت مالک بن دینار نے ہمیشہ روکھی سوکھی غذا پر اکتفا کیا، آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور پوری رات عبادت میں گزارتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی بچی نے آپ سے کہا کہ ابا رات میں کچھ دیر آرام فرمالیا کریں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ دولتِ سعادت میرے در پہ آئے اور مجھے سوتا دیکھ کر واپس ہو جائے۔

پوری رات عبادت میں گزارتے اور پورا دن روزہ رکھتے، افطار کے وقت بازار سے صرف روکھی روٹی خرید کر افطار فرمالیتے، اس کے ساتھ کبھی سالن استعمال نہیں فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے، اسی حالت میں آپ کا دل گوشت کھانے کو چاہنے لگا، چنانچہ اس چاہت کی تسکین کے لیے آپ نے گوشت کے تین ٹکڑے خریدے

اور دور جا کر آپ نے اس گوشت کو سونگھا اور ایک محتاج کو دے دیا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس سے زیادہ تیرا حصہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اے نفس! تجھ کو جو میں تکلیف دیتا ہوں، صرف اس لیے تا کہ تجھ کو مرتبۂ صبر حاصل ہو جائے اور اس کے بدلہ میں تجھ کو لازوال نعمت مل جائے۔

اس کے بعد فرمایا: یہ جو مَثَل مشہور ہے کہ جو شخص چالیس دن گوشت نہ کھائے اس کی عقل میں نقص اور فتور پیدا ہو جاتا ہے، یہ کہاوت بے معنی اور فضول ہے، میں نے تو بیس برس سے گوشت نہیں کھایا، اس کے باوجود میری عقل میں کوئی فتور نہیں پیدا ہوا؛ بلکہ میرے خرد اور دانائی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

اولیاء اللہ کی مالداروں سے دوری

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

جتنے بھی اولیاء اللہ گذرے ہیں سب اغنیاء، اصحاب ثروت، مالداروں سے دور رہے۔

چنانچہ حضرت مالک بن دینار نے بھی دنیا اور دنیاداروں سے ہمیشہ اپنے کو دور رکھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بصرہ میں ایک بڑے رئیس کا انتقال ہو گیا، اولاد میں اس کی صرف ایک بچی تھی، لہٰذا پورے ترکہ کی تنہا وہ مالکہ بن گئی۔ اس کے بعد اس نے شادی کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ حضرت ثابت بنانی کے پاس وہ گئی اور اس نے ان سے اپنی خواہش کے اظہار کے ساتھ ان کو اس کام کا پیغامبر بنایا، چنانچہ انہوں نے

حضرت مالک بن دینار تک رئیس زادی کا پیغام پہونچایا۔

یہ سن کر حضرت مالک بن دینار نے فرمایا میں تو دنیا کو طلاق دے چکا ہوں، اور چونکہ عورت کا شمار بھی دنیا میں ہوتا ہے اس لئے کہ دنیا کی صورت مثالیہ عورت ہی کی ہے، اور جس کو میں طلاق مغلظہ دے چکا ہوں اس سے دوبارہ نکاح کیسے کر سکتا ہوں۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس لئے سالکین کو ہمیشہ اس دنیاء دنی سے دور رہنا چاہئے، لیکن اس وقت افسوس ہوتا ہے جب ایسے نوجوان فضلاء وعلماء اور نام کے پیروں کو امراء واغنیاء کی چوکھٹوں پر خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے سلف کیا تھے اور خلف کیا ہو گئے۔ اللہ پاک ہر سالک کی حفاظت فرمائے اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

اللہ والوں کے فیوض وبرکات

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ والوں کے فیوض وبرکات عام وتام ہوتے ہیں، اغیار بھی اس سے محروم نہیں ہوتے تو احباب اور اپنوں کا کیا کہنا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس ایک پنڈت آیا کرتا تھا، اس کا معمول یہ تھا کہ وہ روزانہ مدرسہ کے کنویں پر آتا اور غسل کرتا اور سورج کو جل چڑھاتا، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو اس سے کبھی منع نہیں فرمایا تا آنکہ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

آپ کے انتقال کے بعد اس پنڈت نے ایک روز حضرت شاہ صاحب کے نواسہ حضرت مولانا اسحٰق صاحب کو بلایا اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میری تمہارے نانا سے بچپن سے دوستی تھی، اب وہ نہیں رہے، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ دنیا میں تو ہم دونوں ایک ساتھ رہے ملتے جلتے رہے اور وہاں جا کر ان کا مقام اور ہو اور میرا ٹھکانہ اور۔ لہٰذا مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنادو، چنانچہ اس نے حضرت مولانا اسحٰق صاحب سے کلمہ پڑھا اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بافیض دامن سے وابستہ ہو گیا، اور موقع رہتے ہوئے اپنا ٹھکانہ چینج کرلیا۔

حضرت مالک بن دینار کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اسی طرح حضرت مالک بن دینار کا ایک مرتبہ مناظرہ ہوا، دونوں فریق اپنے کو حق پر کہتے رہے، بالآخر لوگوں نے یہ طے کیا کہ کسی جگہ آگ جلائی جائے اور دونوں کا ہاتھ آگ میں ڈال دیا جائے جس کا ہاتھ نہ جلے وہ حق پر ہے اور جس کا ہاتھ جل جائے وہ ناحق پر ہے۔

چنانچہ آگ جلائی گئی اور حضرت مالک بن دینار اور ملحد دونوں نے اپنا اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا لیکن کسی کا بھی ہاتھ آگ میں نہیں جلا۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ دونوں حق پر ہیں۔

لیکن حضرت مالک بن دینار کو اس کا بے حد رنج وقلق ہوا، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے حضور اپنا گلہ وشکوہ رکھا کہ اے اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ملحد اور میرا دونوں کا ہاتھ

محفوظ رہا؟۔

اللہ کی طرف سے جواب آیا کہ اے مالک! تمہارے ہاتھ کی برکت سے ملحد کا ہاتھ بچ گیا ورنہ اگر وہ تنہا اپنا ہاتھ آگ میں ڈالتا تو یقیناً اس کا ہاتھ جل جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے فیوض و برکات سے اغیار بھی محروم نہیں ہوتے تو اپنے اور احباب کہاں محروم ہو سکتے ہیں۔

اللہ والوں کے فیوض و برکات سے جس طرح لوگ زندگی میں مستفیض ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی ان کا فیض جاری وساری رہتا ہے، اور اہل عقیدت ومحبت اور قربت رکھنے والے مختلف انداز سے اس سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں، جس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ

ایک مرتبہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ مجلس میں تشریف فرما تھے اور حضرت کے گردو پیش بہت سے حضرات بیٹھے ہوئے تھے اور ایک صاحب چھت میں لگا ہوا بڑا پنکھا رسی کے ذریعہ کھینچ کر جھل رہے تھے، اسی دوران حاضرین میں سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت اللہ والوں کی قبر کے قریب جو لوگ دفن ہوتے ہیں کیا ان کو بھی بزرگوں کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا فیض پہنچتا ہے؟ حضرت نے برجستہ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ صاحب جو پنکھا جھل رہے ہیں وہ مجھ کو جھل رہے ہیں یا کسی اور کو؟ سائل نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت! پنکھا جھلنے والا تو آپ کو ہی جھل رہا ہے۔

اس کے بعد حضرت تھانوی نے ان سے پوچھا کہ ہوا صرف مجھ کو لگ رہی ہے یا میرے گرد و پیش بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی؟ اس کے جواب میں سائل نے عرض کیا کہ حضرت! ہوا سب کو لگ رہی ہے اور اس سے سارے لوگ مستفیض ہو رہے ہیں؛ اگرچہ پنکھا جھلنے والا صرف آپ کو پنکھا جھل رہا ہے۔

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اللہ والوں کے قریب دفن ہونے والوں کا بھی حال یہی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو خصوصی نعمتیں صلحاء اور اولیاء کے لیے نازل ہوتی ہیں ان سے وہ اولیاء اور صلحاء تو مستفید ہوتے ہی ہیں، لیکن ان کے ہمسائے بھی اس سے محروم نہیں ہوتے۔

خواجہ عثمان ھارونی کے پیر بھائی کا واقعہ

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی سفارش سے عذاب کے ملتوی ہونے کا واقعہ ملفوظات حبیب الامت کی جلد اول میں گزر چکا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ایک مرتبہ اپنے ایک پیر بھائی کی تدفین میں شریک ہوئے، تدفین کے بعد سارے لوگ قبرستان سے رخصت ہو گئے، لیکن حضرت خواجہ عثمان ہارونی کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہرے رہے، اتنے میں صاحبِ قبر کا حال آپ پر منکشف ہوا کہ کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتے آ چکے ہیں، حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے جب ان فرشتوں کی آمد کو محسوس کر لیا تو قبل ازیں کہ وہ اپنا کام شروع کرتے آپ نے ان فرشتوں کو مخاطب کر کے

فرمایا کہ یہ شخص مجھ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہے، حضرت کے یہ فرمانے کے بعد عذاب کے فرشتے واپس ہوگئے اور اس طرح عذاب، صاحب قبر سے دفع ہوگیا۔

نادان ہیں وہ لوگ جو اللہ والوں سے تعلق کو لغو اور بے کار سمجھتے ہیں، اللہ والوں کا تعلق دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اور ان کے فیوض و برکات سے ہر حال میں لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

اللہ والوں سے ڈرتے رہیو کیونکہ ان کی سیدھی تو سیدھی ہوتی ہی ہے الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

میرے پیارے اللہ والوں سے ہمیشہ ڈرتے رہیو کیونکہ ان کی سیدھی تو سیدھی ہوتی ہی ہے ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ چنانچہ جنہوں نے بھی اللہ والوں سے ٹکر لی اور ان کو ایذا پہونچایا ان کا انجام بہت برا ہوا۔

حضرت مالک بن دینار ایک مرتبہ بہت سخت علیل ہوئے جب افاقہ ہوا تو کسی ضرورت سے بمشکل تمام دوسروں کے سہارے بازار تشریف لے گئے، پہونچتے ہی بازار میں بادشاہ کی سواری آ گئی اور ہٹو بچو کا شور ہونے لگا۔ آپ بیماری کی کمزوری کی وجہ سے راستہ سے جلدی نہیں ہٹ پائے قدرے تاخیر ہوگئی، اس کی وجہ سے بادشاہ کے ہمراہیوں میں سے ایک نے آپ کو ایک کوڑا رسید کر دیا جس کی تکلیف کمزوری کی

وجہ سے آپ کو بہت ہوئی، اسی درد اور تکلیف میں حضرت مالک بن دینار کی زبان سے بے ساختہ یہ نکلا کہ خدا کرے تیرے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

چنانچہ کل ہو کر کسی جرم کی پاداش میں کوڑا مارنے والے کے ہاتھ کاٹ کر چوراہے پر ڈلوا دیئے گئے۔

اس لئے اللہ والوں کا دل دکھانے سے بہت پرہیز کرنا چاہئے جب ان کا دل دکھتا ہے اور درد میں زبان سے کچھ نکلتا ہے تو وہ اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لئے اللہ والوں کی شان میں بہت محتاط رہنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔

اللہ اپنے اولیاء کی حفاظت فرماتے ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرات انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں، عصمت انبیاء کے خصوصیات میں سے ہے اور حضرات اولیاء محفوظ ہوتے ہیں، گناہوں سے اللہ پاک ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مالک بن دینار کے سلسلہ میں منقول ہے کہ آپ کو جہاد میں شرکت کا بہت شوق تھا، لیکن جب آپ شرکت کا ارادہ فرماتے آپ کو بخار آجاتا جس کی وجہ سے آپ شرکت نہیں فرما پاتے تھے۔

ایک دن اسی رنج میں لیٹے ہوئے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر اللہ کے نزدیک تیری کوئی حیثیت ہوتی تو اس عظیم نعمت سے محروم نہ ہوتا۔

اسی دن رات میں خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے، اے مالک

میں نے بخار میں مبتلا کر کے تیری حفاظت کی ہے، اگر تو جہاد میں شریک ہوتا تو کفار ومشرکین تجھ کو قیدی بنا لیتے اور زبردستی خنزیر کا گوشت کھلا کر بے دین بنا دیتے، بخار دے کر میں نے تیری اس بے دینی سے حفاظت کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک اپنے اولیاء کی کس طرح حفاظت فرماتے ہیں۔

سود کھانے اور ناپ تول میں کمی کی نحوست

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

گناہ گناہ ہوتا ہے کسی گناہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، جس طرح آگ آگ ہوتی ہے کسی چنگاری کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کبھی معمولی چنگاری بڑے سے بڑے آشیانہ کو خاکستر بنا دیتی ہے۔

اسی طرح ہر گناہ سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ کبھی اصرار اور بار بار کرنے کی وجہ سے صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے اور آدمی صغیرہ سمجھ کر اس کو کرتا رہتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار ایک مرتبہ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، وہ قریب المرگ تھا، آپ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کلمہ کی تلقین کی، لیکن باوجود اصرار کے وہ کلمہ نہیں پڑھ سکا۔ حضرت مالک بن دینار کو اس کی اس حالت پر بہت افسوس ہوا اور لوگوں سے معلوم کیا کہ یہ اپنی زندگی میں کیا کرتا تھا کہ بار بار تلقین کے باوجود کلمہ اس کی زبان پر جاری نہیں ہو رہا ہے۔ لوگوں نے بتلایا

کہ یہ سود خور تھا اور ناپ تول میں کمی کیا کرتا تھا۔ حضرت مالک بن دینار نے فرمایا انہی دو گناہوں کی نحوست ہے کہ اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا ہے۔

تذکرہ حضرت حبیب عجمی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں حضرات اولیاء کرام کے تذکرہ کے ضمن میں حضرت حبیب عجمی کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ حضرت حبیب عجمی چونکہ قرآن کریم درست تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھ پاتے تھے اس لئے عجمی کہلاتے تھے۔

حالانکہ آپ تابعی ہونے کے ساتھ کبار اولیاء میں سے ہیں اور آپ کا شمار پہلی صدی ہجری کے مشائخ تصوف میں ہوتا ہے، حضرت حسن بصری کے آپ مریدین میں سے تھے، بعد میں آپ صاحب کشف و کرامت اولیاء میں شمار ہونے لگے، اسی کے ساتھ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے، آپ کی دعاء سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک عورت روتی ہوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بتلایا کہ میرا لڑکا گم ہو گیا ہے، تلاش بسیار کے باوجود ابھی تک نہیں ملا ہے، اس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں، دعاء فرمادیں وہ واپس آجائے۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ ہے، اس نے کہا دو درہم ہیں آپ نے فرمایا اس کو صدقہ کردے، اس کے بعد آپ نے دعاء کی اور دعاء کے بعد فرمایا جا تیرا بیٹا گھر

پہونچ گیا، چنانچہ جب وہ عورت اپنے گھر پہونچی تو اپنے بیٹے کو گھر میں موجود پایا، یہ ماجرا دیکھ کر عورت حیران ہوگئی۔

ناسوت، ملکوت، جبروت کی تشریح

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اذکار کے مختلف انواع واقسام ہیں ان میں ایک ذکر ناسوتی ہے، اسی طرح ایک ذکر کا نام ملکوتی ہے، اسی طرح ایک ذکر کا نام جبروتی ہے۔

اس زمانہ میں بہت سے ذاکرین وہ ہیں جنہوں نے یہ نام بھی نہیں سنے ہیں، ان کے سامنے جب ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی کا نام آتا ہے تو وہ حیران و پریشان ہو جاتے ہیں کہ یہ کون سا ذکر ہے، ہم نے تو آج تک ان کا نام بھی نہیں سنا ہے۔ اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ ان کی تشریحات سے واقف ہو:

(۱) ناسوت، زمین وآسمان کے درمیان جو جہاں ہے اس کو عالم ناسوت کہا جاتا ہے، اسی کو عالم شہادت و عالم ظاہر بھی کہتے ہیں، چونکہ زمین وآسمان کے درمیان کی چیزیں مرئی ومشاہد ہیں، ان کو ہر بینا دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ شریعت یعنی جسم کا راستہ ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ۔

(۲) ملکوت، جو چیزیں غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں غیب میں ہیں جن کو ان فانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ان پر عالم ملکوت کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس کو عالم غیب

وعالم باطن بھی کہتے ہیں۔ یہ طریقت یعنی دل کا راستہ ہے، اعمال قلبی، حضوری وغیرہ۔

(۳) جبروت، جو چیزیں غیب الغیب میں ہوتی ہیں، ان پر عالم جبروت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس کو عالم ارواح وعالم غیب الغیب بھی کہتے ہیں اور یہ حقیقت یعنی روح کا راستہ ہے اور روح کے اعمال جیسے شہود ومعرفت وغیرہ۔

اس کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا یہ بہت دقیق اور تصوف کی فنی باتیں ہیں، ان کا سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اس کے بعد فرمایا لیکن شیخ شرف الدین یحیٰ منیری جو ہندوستان کے کبار اولیاء میں سے ہیں اور سلسلۂ فردوسیہ کے چشم و چراغ ہیں، صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں آپ کا شمار ہے، انہوں نے ان دقیق باتوں کو خوب سمجھا اور بہت سہل انداز میں اس کو سمجھایا۔

انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے

آپ فرماتے ہیں: اس راہ کو طے کرنے کے تین ذرائع ہیں: شریعت، طریقت، حقیقت۔ چونکہ انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے، نفس، دل، روح، لہٰذا ہر ایک کے لئے ایک راستہ مقرر کردیا گیا ہے، نفس کے لئے شریعت، دل کے لئے طریقت، روح کے لئے حقیقت۔

نفس شریعت کے راستے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کے صفات اختیار کرکے اس کے ہم رنگ ہوجاتا ہے اور دل طریقت کے راستے عالم جبروت میں

پہونچتا ہے اور روح کی صفات اختیار کر کے اس کے ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اپنی منزل مقصود کو پہونچ جاتی ہے، اس طرح نفس دل کی طرح ہو جاتا ہے اور دل روح کی طرح۔

انسان کے عناصر اربعہ اور ان کی خصوصیات

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے آگے فرمایا کہ:

انسان کی ترکیب چار عناصر سے ہوئی ہے اور ان چاروں کی خصوصیات الگ الگ ہیں۔

ہر سالک کے ذہن میں وہ چاروں عناصر اور ان کی خصوصیات رہنی چاہئیں تا کہ ان کے ازالہ کی کوشش کرتا رہے۔

(۱) پانی، انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر پانی ہے اور اس کی خصوصیت تلون مزاجی، کسی اثر کو جلدی قبول کرنا، لوگوں سے ملنے جلنے کی رغبت ہے۔

لہٰذا اگر ان امور میں سے کسی امر کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابی عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ پانی کے اثرات وثمرات ہیں۔

(۲) مٹی، انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر مٹی ہے، اور اس کی خصوصیت اور تاثیر، ظلمت و جہالت، سخت دلی، اور کدورت و کثافت ہے۔

لہٰذا اگر ان امور میں سے کسی امر کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکی

عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ خاک یعنی مٹی کے اثرات وثمرات ہیں۔

(۳) آگ، انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر آگ ہے اور اس کی خصوصیت اور تاثیر، کبر، علو، حب جاہ ہے۔

لہٰذا اگر ان صفات میں سے کوئی صفت ظاہر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ناری عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ آگ کا اثر ہے۔

(۴) ہوا۔ انسان کی تخلیق و ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر ہوا ہے اور اس کی خصوصیت اور تاثیر حب مال، تغیر پسندی، شہوات ولذات کی طرف رغبت ہے۔

لہٰذا اگر ان صفات میں سے کسی صفت کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے۔

سالکین کے ذکر کی علت خفیہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جب کوئی شخص داخل سلسلہ ہوتا ہے اور کسی خانقاہ میں داخلہ لیتا ہے اور کسی صاحب نسبت اللہ کے ولی کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے تو سبق کی ابتداء ذکر سے کراتے ہیں اور بالتدریج ذکر میں اضافہ فرماتے ہیں، ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی،

لاہوتی، پھراسم ذات کی ضربیں لگواتے ہیں۔ایک سے سات تک اس کی ضربیں ہوتی ہیں، پھر مقدار میں اضافہ فرماتے ہیں،کم ازکم بارہ ہزاراور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ پچیس ہزار تک حضرات مشائخ نے اس کی ضربیں لگوائی ہیں۔

اسی طرح ذکر حدادی، ذکر قلندری، ذکر سرمدی، ذکر ارہ، ذکر جاروب القلب،سلطان الاذکار جیسے اذکار سے بھی ذاکرین گزرتے ہیں۔

الغرض حضرات مشائخ خانقاہوں میں ذکر پر زیادہ زور اسی لیے دیتے ہیں تاکہ اس کی کثرت، مداومت اور برکت سے عناصر اربعہ کی خصوصیات وتاثیرات کا ازالہ ہوجائے اور نفس رذائل سے منزہ اور صاف ستھرا ہوجائے اور قلب وروح کی راہ میں وہ حائل نہ ہواور قلب وروح کی رکاوٹ ختم ہوجائے۔

عالم ملکوت کے لطائف خمسہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

عالم ملکوت جس کا تذکرہ اس سے پہلے کی مجلس میں آچکا ہے،جس کا دوسرا نام عالم امر اور عالم غیب بھی ہے،اس کے پانچ لطائف ہیں۔اوران کا مرکز عرش کے اوپر ہے اور یہ لطائف انسان کے نفس پر آئینہ کی طرح چمکتے ہیں اور نفس کے ذریعہ اس کے اثرات انسان کے جسم پر ظاہر ہوتے ہیں اور جب تک انسان کے لطائف منزہ اور صاف نہیں

ہو جاتے اس وقت تک انسان کا قلب تجلی الٰہی اور قرب الٰہی کے قابل نہیں ہوتا۔

لطائف خمسہ

لطائف خمسہ (۱) قلب (۲) روح (۳) سر (۴) خفی (۵) اخفی۔

ان میں سے ہر ایک کا ذکر جداگانہ ہے۔

(۱) ذکر قلبی، مذکور کی طرف پوری توجہ سے جو ذکر ہو اس کو ذکر قلبی کہتے ہیں۔ یعنی مذکور سے ایک لمحہ کے لئے بھی ذاکر غافل نہ ہو۔

(۲) ذکر روحی، صفات کی تجلیات اور انوارات کے مشاہدہ کا نام ذکر روحی ہے۔ یعنی اگر ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ صفات باری کی تجلی شروع ہو جائے اور انوارات کا مشاہدہ ہونے لگے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا لطیفۂ روح ذاکر ہو چکا ہے اور ذکر روحی کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔

(۳) ذکر سر، مذکور میں محو اور مستغرق ہو جانا جس کو فنا بھی کہتے ہیں۔ اگر ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ وہ مذکور میں ایسا محو ہو جائے کہ دنیا و مافیہا کی اس کو خبر نہ ہو اور اسی میں وہ غرق ہو جائے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا یہ لطیفہ کامل ہو گیا ہے اور اس کو ذکر سر کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔

(۴) ذکر خفی، یہ نام ہے ذات باری کے جمال کے انوارات کا۔ اگر کوئی ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ اس کو ذات باری کے جمال کے انوارات کا مشاہدہ

شروع ہوجائے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو ذکر خفی کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔

(۵) ذکر اخفی۔ یہ نام ہے رذائل، فخر، کبر وغیرہ کے ازالہ کا، اگر کوئی ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ فخر وکبر وغیرہ رذائل اس سے مکمل نکل جائیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو ذکر اخفی کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔

لطائف خمسہ کے ذکر کے ثمرات

(۱) لطیفۂ قلبی کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ سالک کا دل نفسانی خواہشات کے بجائے محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، قلب کے جاری ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا دل حرکت کرنے لگے یا اسے کشف ہونے لگے؛ بلکہ سالک کے پیش نظر صرف رضاء الٰہی ہونی چاہیے۔

الغرض محبوب حقیقی کی طرف دل کا متوجہ ہونا اور شریعت مطہرہ پر عمل کا شوق پیدا ہونا یہ لطیفۂ قلبی کے جاری ہونے کا ثمرہ ہے۔

(۲) لطیفۂ روح کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ طبیعت میں صبر کی صفت پیدا ہوجاتی ہے اور غصہ پر قابو کرنا آسان ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کسی ذاکر میں یہ دونوں صفات پیدا ہوجائیں تو یہ دلیل ہے اس کے لطیفۂ روح کے جاری ہونے کی، الحاصل طبیعت میں صبر وتحمل کا پیدا ہونا غصہ پر قابو کرنا آسان ہوجائے، تو یہ ثمرہ

ہوتا ہے لطیفۂ روح کے جاری ہونے کا۔

(۳) لطیفۂ سرّ جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذکر کے وقت عجیب وغریب کیفیات ظاہر ہونے لگتی ہیں اور حرص وہوس میں کمی پیدا ہونے لگتی ہے اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، اگر کسی ذاکر میں یہ صفات پیدا ہوجائیں تو یہ دلیل ہے اس کے لطیفۂ سرّ کے جاری ہونے کی اور ان صفات کا پیدا ہونا یہ ثمرہ ہے لطیفۂ سرّ کے جاری ہونے کا۔

(۴) لطیفۂ خفی کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ صفات رذیلہ حسد، بخل وغیرہ سے ذاکر کو بیزاری حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کسی ذاکر کو یہ صفات حاصل ہوجائیں تو یہ دلیل ہے ذکرِ خفی کے جاری ہونے کی اور ان صفات کا حصول یہ ثمرہ ہے لطیفۂ خفی کے جاری ہونے کا۔

(۵) لطیفۂ اخفیٰ کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذاکر کے قلب سے فخر، کبر، علو جیسے رذائل دور ہوجاتے ہیں، لہٰذا اگر کسی ذاکر سے یہ رذائل دور ہوجائیں تو یہ دلیل ہے اس کے لطیفۂ اخفیٰ کے جاری ہونے کی اور ان رذائل سے دوری یہ ثمرہ ہے لطیفۂ اخفی کے جاری ہونے کا۔

مقاماتِ لطائف خمسہ کی تعیین

(۱) لطیفۂ قلب، دل انسان کے جسم میں بائیں پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلے پر قدرے پہلو کی جانب واقع ہے۔

(۲)لطیفۂ روح۔روح کا مقام داہنے پستان کے نیچے دوانگلی کے فاصلے پر قدرے پہلو کی جانب واقع ہے۔
(۳)لطیفۂ سرّ،سرّ کی جگہ بائیں پستان کے برابر دوانگلی سینے کی طرف مائل ہوکر ہے۔
(۴)لطیفۂ خفی کا مقام دائیں پستان کے برابر دوانگلی سینے کی طرف مائل ہے۔
(۵)لطیفۂ اخفی،اس لطیفہ کا مقام وسط سینہ ہے۔

تزکیہ کے لئے شیخ کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:
تزکیہ کے لئے شیخ کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ کام بغیر کسی شیخ کامل کی رہبری کے ممکن نہیں ہے، چونکہ طریقت کی راہ بہت لطیف و دقیق ہے،اوراس میں نشیب وفراز بہت ہیں۔
جب کوئی بندہ اللہ کے قرب کا متلاشی ہوتا ہے اور انابت الی اللہ کی توفیق سے سرفراز ہوتا ہے تو اس کے گرد وپیش کئی محاذ کھل جاتے ہیں۔دنیا سے جب بے رغبتی پیدا شروع ہوتی ہے تو دنیا اپنی تمام تر شادابیوں اور رعنائیوں کے ساتھ اس کو اپنانے کی فکر میں لگ جاتی ہے۔نفس کے تقاضے جب دبنے شروع ہوتے ہیں تو نفس

اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ شیطان جب بندہ کو اپنے دامن فریب سے نکلتا ہوا دیکھتا ہے تو اپنے دامن فریب میں پھنسانے کی تدابیر میں لگ جاتا ہے۔ بیوی بال بچے، دوست واحباب جب تبدیل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اپنے گرداب میں الجھانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

الغرض گردوپیش اندرو باہر ایسا ماحول ابتداءً بنتا ہے کہ بعض لوگ اس سے تنگ آ کر اپنی پرانی زندگی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ہمت کر کے آگے بڑھتے ہیں تو ان کو آگے بڑھانے اور چلانے والے کے ساتھ ان کو سہارا دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے وقت اور حالات میں ایسے رہبر کی ضرورت پڑتی ہے جو راستہ کے نشیب وفراز سے واقف ہو اور دوسروں کو منزل سے ہمکنار کر سکتا ہو اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو راستہ دیکھے ہوئے ہو۔

اللہ والا بننے کے لئے تین رکاوٹیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

جب انسان گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کی رضاء جوئی والی زندگی اختیار کرتا ہے تو اس کو عموماً تین طرح کی رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں جن رکاوٹوں کو دور کرنا اور اللہ کی رضاء جوئی میں آگے بڑھتے رہنا ایک مشکل ترین کام ہوتا ہے، لیکن جن کے ساتھ اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے اور توفیق ایزدی کے ساتھ ہمت وقوت کے ساتھ چلتا

رہتا ہے اللہ پاک کی مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور جو ان رکاوٹوں کی نظر ہو جاتا ہے وہ منزل سے دور ہو جاتا ہے۔

(۱) پہلی رکاوٹ نفس ہے، جس کا کام برائیوں کی ترغیب دینا اور برائیوں کو مرغوب اور سہل انداز میں پیش کر کے اس کی طرف راغب کرنا ہے۔ جس کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے: "**اعدی عدوک الذی بین جنبیک**"۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ان النفس لأمارة بالسوء**" نفس کے مکائد کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ وہ بہکاتا ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس کے دام فریب میں آجاتے ہیں اور اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری رکاوٹ شیطان ہے۔

یہ بھی مستقل جال بنتا رہتا ہے اور اپنا شکار بنانے کی فکر میں ہمہ وقت لگا رہتا ہے۔

اللہ کے قرب کے متلاشی لوگوں کے قریب تر ہو کر مختلف قسم کے شکوک و شبہات کا القاء کرتا رہتا ہے اور اللہ سے دور کرنے کی فکر میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے اور پورا زور لگاتا ہے کہ اللہ کو پانے والے راستہ سے یہ بھٹک کر میرے بتلائے ہوئے راستہ پر آجائے۔

اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ان الشیطان لکم عدو**" اور "**ان الشیطان لکم عدو مبین**"۔

(۳) تیسری رکاوٹ ماحول وگرد وپیش معاشرہ بنتا ہے اور جب یہ جملہ سننا پڑتا ہے کہ ''ستر چوہا کھا کر بلی چلی حج کرنے'' اوراس طرح دل خراش جملوں کی جب بوچھار شروع ہوتی ہے تو بعض لوگ ہمت چھوڑ کر رجعت قہقری اختیار کر لیتے ہیں اور جہاں سے چلے تھے پھر وہیں پہونچ جاتے ہیں اور بعض لوگ ان طعنوں اور پھبکیوں کو برداشت کرتے ہوئے اور زبان کے تیر ونشتر کو جھیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں، ایسے لوگ شیخ کے دامن کی وابستگی کے ساتھ منزل پر پہونچ جاتے ہیں۔

اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ ان موانع ورکاوٹوں پر نظر رکھے اور اس میں الجھنے کے بجائے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے آگے بڑھتا رہے اور منزل پر نگاہ رکھے۔

انشاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ واصل بحق ہوجائے گا اور اللہ کا قرب اس کو حاصل ہوجائے گا۔

بیعت کے اقسام

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بیعت کی تین قسمیں ہیں (۱) بیعت توبہ اس میں گناہ چھوڑنے پر بیعت لی جاتی ہے، مثلاً میں نماز نہیں چھوڑوں گا، قتل نہیں کروں گا، زنا نہیں کروں گا، شراب نہیں پیوں گا، سود نہیں لوں گا، جوا نہیں کھیلوں گا، چوری نہیں کروں گا، جھوٹ نہیں بولوں گا وغیرہ۔

(۲) بیعت تبرک، یعنی صرف برکت کے لئے سالکین کے سلسلہ میں داخل

ہونا، تا کہ سلسلہ کی برکتیں ہمیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) بیعت تأ کد، یعنی احکام خداوندی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرنا اور ظاہری وباطنی گناہوں کے چھوڑنے کا عزم مصمم کرنا۔

عموماً حضرات مشائخ کے دست مبارکہ پر جولوگ بیعت ہوتے ہیں ان کی بیعت تیسری قسم میں داخل ہے۔

چونکہ حضرات مشائخ کے یہاں بیعت کے جو الفاظ رائج ہیں جن کو بیعت کے وقت مرید سے کہلوایا جاتا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہوتے ہیں کہ میں عہد کرتا ہوں کہ پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کروں گا، رمضان کے روزے رکھوں گا، اگر اللہ نے مال دیا تو زکوۃ ادا کروں گا، اگر اللہ نے طاقت دی تو حج کروں گا اور سارے اوامر کا امتثال کروں گا۔

اسی طرح یہ بھی عہد کرایا جاتا ہے کہ میں نماز نہیں چھوڑوں گا، قتل نہیں کروں گا، زنا نہیں کروں گا، شراب نہیں پیوں گا، سود نہیں کھاؤں گا، جوا نہیں کھیلوں گا، چوری نہیں کروں گا وغیرہ۔

اجازت وخلافت کے اقسام

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا اجازت کی سات قسمیں ہیں:

۱- اصالہ، شیخ کا بامر الٰہی یعنی باشارہ غیبی کسی کو اجازت دینا اس کو خلافت الٰہی

بھی کہا جاتا ہے۔

۲-اجازۃ، شیخ اپنی مرضی سے کسی کو مستحق اجازت سمجھ کر اجازت وخلافت سے سرفراز کرے جیسا کہ مشائخ کے درمیان یہ رائج ہے، اس کا نام اجازت رضائی بھی ہے۔

۳-اجماعیہ، شیخ کے انتقال کے بعد شیخ کے متوسلین ومریدین شیخ کے ورثاء میں سے کسی کو یا مریدین میں سے کسی کو اجازت وخلافت سے نوازیں اس کو خلافت اجماعیہ کہا جاتا ہے اور اس کو اجازت قبر رائی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن حضرات مشائخ کے نزدیک یہ اجازت معتبر نہیں ہے۔

۴-وارثیہ۔ شیخ نے ایسا وارث چھوڑا ہو جو بالکل نااہل ونالائق ہو، طریقت کا مخالف ہو، لیکن شیخ کے انتقال کے بعد شیخ کے متوسلین ومریدین اس کو شیخ کا خلیفہ اور جانشین بنادیں تو ایسی اجازت بھی معتبر نہیں ہے۔

۵-حکمیہ۔ شیخ کا انتقال ہوجائے اور حاکم وقت متوسلین ومریدین میں سے کسی کو شیخ کا جانشین بنادے تو ایسی جانشینی معتبر ہے۔ یہ **أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول و أولی الأمر منکم** کے تحت داخل ہے۔

۶-تکلفیہ، اجازت تکلفیہ اس اجازت کو کہتے ہیں کہ متوسلین وخواص کی سفارش سے کوئی مجاز بنا ہو اور شیخ نے اجازت دی ہو۔

۷-اویسیہ۔ اجازت اویسیہ یہ ہے کہ اویسی سلسلہ کے کسی بزرگ نے روحانی تربیت کے ذریعہ اجازت سے سرفراز کیا ہو۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی وضاحت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود بھی تصوف اور صوفیاء کی ایک اہم اصطلاح ہے، جو قدیم زمانے سے رائج ہے اور ایک طویل عرصہ تک اس کے قائلین پائے گئے اور بعض کبارِ مشائخ کو سخت ابتلاء سے بھی اس کی وجہ سے گزرنا پڑا، اس زمانے میں یہ اصطلاح اگرچہ بہت رائج نہیں ہے اور اس کے قائلین کی تعداد بھی بہت کم ہے، لیکن تصوف کی کتابوں میں یہ اصطلاحات آج بھی موجود ہیں، اس لیے سالکین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصطلاحات سے واقف ہوں۔

سلوک ومعرفت کی راہ میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے، جہاں پہنچ کر اس عالم کی ہر موجود چیز ایک دوسرے سے مربوط معلوم ہونے لگتی ہے، جب سالک کی یہ حالت اس پر غالب ہوجاتی ہے تو اس کی نظروں سے اشیاء کی کثرت غائب ہوجاتی ہے، حتی کہ خود اس کا وجود بھی اس کو محفوظ نہیں ہوتا، ایک ذاتِ حق کے علاوہ دوسری تمام چیزیں، حتی کہ اس کا اپنا وجود بھی اس کی نظر میں کالعدم ہوجاتا ہے، اسی کیفیت کا نام وحدۃ الوجود ہے۔

لیکن اس سلسلے میں حضرت مجدد الفِ ثانی کی رائے یہ ہے کہ اشیاء کی کثرت معدوم نہیں ہوتیں؛ البتہ سالک کو غلبۂ توحید کی وجہ سے ایک طرح کا ذہول ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کی توجہ ہمہ وقت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف مرکوز ہوجاتی ہے، جیسے آسمان پر ستارے کہ آفتاب طلوع ہوتے ہی نظر سے غائب ہوجاتے ہیں، حالانکہ اپنی

جگہ پر وہ موجود ہوتے ہیں اور اسی کو وحدۃ الشہود بھی کہا جاتا ہے، یعنی سوائے ذات باری تعالیٰ کے سالک کو اور کسی چیز کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔

لیکن یہ ایک کیفیت باطنیہ و ادراکیہ ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان کیفیات سے گزرتا ہے اور یہ کیفیت اکتسابی بھی نہیں ہے؛ بلکہ وہبی اور عطائی ہے، جب کسی خوش بخت کے دل سے اپنے آفتابِ وحدت کو طلوع کرتے ہیں تو اس کے لیے ساری کثرت ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

لیکن یہ ذہنوں میں رہنا چاہئے کہ یہ سلوک کا بہت ہی اعلیٰ وارفع مقام ہے، جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ مقام جتنا اعلیٰ وارفع ہے اتنا ہی نازک اور اہم اور خطرات کا حامل بھی ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ حق اور صحیح اور واقع کے مطابق ہے، اس لیے کہ یہ مسئلہ تمام مشائخ کا متفق علیہ ہے، لیکن اس کے اظہار میں شدید فتنہ ہے اور اصطلاحات تصوف سے عاری لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے، اس لیے اس کے اظہار سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے، تاکہ عوام امت فتنہ کی شکار نہ ہو۔

عینیت اور غیریت کی وضاحت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین سے گفتگو

کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس طرح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود تصوف کی ایک دقیق اصطلاح ہے جس کے مفہوم کو بہت وضاحت کے ساتھ آپ لوگوں نے سمجھ لیا۔

اسی طرح عینیت اور غیریت، یہ بھی تصوف اور صوفیاء کی اہم اصطلاح ہے، خیال آیا کہ اس کو بھی آپ حضرات سمجھ لیں اور اس کی بھی وضاحت ہو جائے؛ تا کہ ہر قسم کے زیغ وضلال سے آپ حضرات محفوظ رہیں۔

عین کے معنی ہیں دو چیزوں کا ایک ہونا، بعض حضرات صوفیاء خالق ومخلوق میں عینیت کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو واجب الوجود ہے، اس کے سوا کسی کا وجود نہیں اور جو کچھ عالم میں دکھائی دیتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ہے، مخلوق چونکہ خالق کی صفتِ خلق کا مظہر ہے اور ضابطہ ہے کہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہوسکتی، اس لیے مخلوق بھی خالق سے جدا نہیں۔

اسی لیے بعض حضرات صوفیاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا باطن ہے، یہ کائنات ظہور سے پہلے عین حق تعالیٰ تھی اور حق تعالیٰ بعد از ظہور عین کائنات ہیں، یعنی حقیقت میں ہستی ایک ہے اور ظاہر و باطن اور اول وآخر ہونا محض اعتباری واضافی ہے۔

بعض بزرگوں کا اس مفہوم میں یہ شعر بہت مشہور ہوا ؎

ہمسایہ و ہم نشیں وہمراہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ اس سلسلے میں فرماتے تھے کہ عبد اور رب میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں، لیکن یہ صرف اعتباری ہے حقیقی نہیں، جیسے کوئی شخص اپنے گرد و پیش کئی آئینے رکھ لے تو ہر آئینہ میں اس کی ذات اور اس کی صفات بعینہ ظاہر ہوں گی، جیسے خوشی اور غمی، ہنسنا اور رونا وغیرہ، لہٰذا اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عکس جو آئینے میں نظر آ رہا ہے یہ اس شخص کا عین ہے، غیر نہیں، لیکن یہ عینیت صرف اعتباری ہے، لغوی نہیں، اس لیے کہ جو کیفیت آئینہ پر طاری ہو اس کا اس شخص پر طاری ہونا ضروری نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص آئینہ پر پتھر مارے تو اس کی وجہ سے اس کی ضرب اس شخص کو محسوس نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر آئینہ پر کوئی شخص نجاست ڈال دے تو اس کی وجہ سے وہ شخص پلید نہیں ہوتا ہے، پس جس طرح اس مثال میں آئینہ کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص اور عکس میں عینیت اور غیریت دونوں ہے، اسی طرح عبد اور رب میں بھی عینیت اور غیریت دونوں پائی جاتی ہیں۔

ہمہ اوست کی وضاحت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

جب آپ حضرات وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود اور عینیت و غیریت کو سمجھ گئے تو تصوف اور صوفیاء کی ایک اور اصطلاح جو ''ہمہ اوست'' کے نام سے مشہور و معروف ہے، اس کو بھی سمجھ لیں، تاکہ اس کی بھی وضاحت ہو جائے۔

ہمہ اوست کے معنی ہیں: سب کچھ وہی ہے۔ بعض اہل حق صوفیاء جب غلبۂ عشق میں اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی نظروں میں حق تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا سب کچھ پوشیدہ و مخفی ہو جاتا ہے اور ہر جگہ ذاتِ حق کا ہی ظہور نظر آتا ہے تو ان کی زبان پر ہمہ اوست کا جملہ آجاتا ہے اور ایسے حضرات اپنے اس قول میں صادق ہوتے ہیں، کاذب نہیں ہوتے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے حضرات صوفیاء کے اس جملہ کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے اس جملہ کا جو مطلب سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں موجود تمام جزئیات اور واقعات اور اشیاء کی کثرت، یہ سب کچھ ایک ہی ذاتِ حق کا ظہور ہیں۔

جس طرح زید کی صورت بہت سے آئینوں میں منعکس ہو جائے تو اگر ان ساری صورتوں کے بارے میں ''ہمہ اوست'' کہہ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں جو مختلف آئینوں میں نظر آ رہی ہیں، وہ سب ایک ہی ذات یعنی زید کا ظہور ہیں، اس سے نہ جزئیت ثابت ہوتی ہے نہ اتحاد اور نہ ہی حلول ثابت ہوتا ہے اور نہ تلون، اس لیے کہ زید کی ذات ان تمام آئینوں میں دکھنے کے باوجود ایک ہی حالت پر ہے، اس کی وجہ سے اس میں نہ کوئی کمی آئی ہے نہ زیادتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرات صوفیاء اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا مظہر مانتے ہیں اور اس کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں، جیسے حضرت منصور نے جب غلبۂ حق میں ''أنا الحق'' فرمایا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں بلکہ ان کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نہیں ہوں، حق تعالیٰ سبحانہ موجود ہے۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات صوفیاء کے اس کلام کہ ''ہمہ اوست'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمہ از اوست۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''ہمہ اوست'' کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ خدا ہے، حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس خدا ہے اور کچھ نہیں۔

ظاہر سی بات ہے کہ ان دونوں مطالب میں آسمان و زمین کا فرق ہے، لیکن اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت موجود ہو، اس لیے ہر کس و ناکس کو اس سلسلے میں گفتگو کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، بالخصوص عوام میں تو ان مسائل پر قطعاً بات نہیں کرنی چاہئے۔

ادب وتأدب اور سالکین

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ادب وتأدب سالکین راہ طریقت کے لئے ایسی مشعل راہ ہے جس کے بغیر اس راہ میں کوئی چل نہیں سکتا۔ جس نے بھی کچھ پایا ادب وتأدب ہی کی راہ سے پایا جس کا فقدان بکثرت آج کل نظر آتا ہے۔

طـــریــق الـعشــق کــلھـــا اداب

ادبــوا الـــنــفـــس ایھــاالاصـحـاب

یوں تو پوری زندگی ادب سے عبارت ہے، اللہ کا ادب، رسول کا ادب، ماں باپ کا ادب، استاد کا ادب، علم کا ادب، ذرائع علم کا ادب۔

لیکن راہ طریقت میں جو جتنا مؤدب رہا اس نے اسی کے بقدر حصہ پایا۔

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں ادب نام ہے ظاہر و باطن کی آراستگی کا۔

عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ہم علم کثیر کے اتنے محتاج نہیں جتنا ادب قلیل کے محتاج ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عارف و سالک کے لئے ادب اتنا ہی ضروری ہے جتنا مبتدی کے لئے توبہ۔

حضرت ابوعلی دقاق فرماتے تھے کہ بندہ طاعت کے ذریعہ جنت تک پہونچ جاتا ہے اور طاعت میں ادب کے ذیعہ اللہ تک پہونچ جاتا ہے۔ حضرت جلال الدین بصری فرمایا کرتے تھے ایمان کے لئے توحید ضروری ہے جس میں توحید نہیں ایمان نہیں اور ایمان کے لئے شریعت ضروری ہے، لہٰذا جہاں شریعت نہیں ایمان نہیں، اور شریعت کے لئے ادب ضروری ہے، لہٰذا جس میں ادب نہیں اس میں نہ شریعت ہے نہ ایمان ہے نہ توحید ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے جو آداب سے لاپرواہی برتتا ہے وہ سنتوں سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو سنن سے غفلت برتتا ہے وہ واجبات و فرائض سے محروم

کر دیا جاتا ہے اور جو فرائض سے غفلت برتتا ہے اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں، میں رات میں ایک مرتبہ درود پاک پڑھنے میں مصروف تھا اور میرے پاؤں قبلہ کی طرف دراز تھے، ایک شخص نے بلند آواز سے کہا سری کیا اس طرح پاؤں پھیلا کر بادشاہ کی طرف بیٹھ سکتے ہو؟ فوراً مجھ کو تنبہ ہو گیا اور میں نے پاؤں سکیڑ لیا اور توبہ واستغفار کیا۔

حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے اس کے بعد حضرت سری سقطی ساٹھ سال زندہ رہے لیکن کبھی پاؤں دراز نہیں کیا نہ دن میں نہ رات میں۔

ادب وتأدب کی برکات

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بزرگوں کا مقولہ ہے باادب بانصیب بےادب بےنصیب۔ادب وتأدب کی راہ سے فیضیاب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) شمس الائمہ حلوانی فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میرے پاس علم آیا ہے وہ ادب اور عظمت ہی کے راستے سے آیا ہے؛ کیونکہ کبھی ایک کاغذ بھی میں نے بغیر طہارت اور وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور ہمیشہ میں نے ذرائعِ علم میں ادب واحترام ملحوظ

رکھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم سے حظ وافر مجھ کو حاصل ہوا۔

(۲) حضرت بشر حافی جو اولیاء کبار میں سے ہیں، ایک مرتبہ راستہ چلتے ہوئے راستہ میں زمین پر گرا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا، جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، آپ نے اس کو بہت ادب واحترام کے ساتھ اٹھایا اور صاف ستھرا کر کے، خوش بو لگا کر، کسی محفوظ جگہ پر رکھنے کی کوشش کی، لیکن جب کوئی جگہ نہیں مل سکی تو اس کو وہ نگل گئے، اس کا ثمرہ ان کو اللہ پاک کی طرف سے یہ ملا کہ خلقِ خدا کی زبان پر ان کا نام عزت کے ساتھ جاری کر دیا، آج بھی دنیا والے ان کا نام انتہائی ادب واحترام کے ساتھ لیتے ہیں۔

(۳) خواجہ ابو اسحاق غاذرونی کپڑے کی بنائی کا کام کرتے تھے، ان کا کھانا جو گھر سے آتا تھا، اس میں سے چند روٹیاں بچا کر طاق پر رکھ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تین اللہ والے ان کے کام کی جگہ کے پاس سے گزرے، ان کی نظر ان اللہ والوں پر پڑ گئی وہ طاق میں رکھی ہوئی روٹیاں دونوں ہاتھوں میں لے کر ادب کے ساتھ ان درویشوں کی راہ میں کھڑے ہو گئے، جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے سر جھکا کر انتہائی ادب واحترام کے لب ولہجہ میں دونوں ہاتھوں سے روٹیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا، حضور والا! کھانا حاضر ہے، تناول فرمائیں، ان درویشوں کو ان کا یہ ادب بہت پسند آیا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ لڑکا بہت با ادب ہے، اس کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو کچھ دینا چاہئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک اللہ والے نے ان کے لیے دین داری کی دعا مانگی کہ یا اللہ! اس کو دین دار بنا دے، دوسرے اللہ والے نے دنیا کی تمام نعمتوں کے ملنے کی دعا مانگی، تیسرے اللہ والے نے ان کو استقامت کی دعا

دی کہ اللہ تم کو دین و دنیا کی نعمتوں میں استقامت عطا فرمائے۔

چنانچہ حضرت خواجہ ابو اسحاق غاذرونی فرمایا کرتے تھے کہ آج مجھ کو جو شہرت وعزت اور باطنی دولت میرے پاس موجود ہے یہ سب انھیں درویشوں کی دعا کی برکت ہے اور اس ادب کا ثمرہ ہے، جس کے ساتھ میں ان کے سامنے پیش آیا۔

(۴) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شمس العارفین حج کے لیے تشریف لے گئے اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضری کا ارادہ فرمایا، لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ حج کے طفیل میں روضۂ اقدس کی حاضری اور زیارت بے ادبی ہے، چنانچہ اس کے بعد گھر واپس آگئے اور ایک رات گھر پر قیام فرمایا اور دوسرے دن مستقل روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر کیا، جب روضۂ اقدس پر پہنچ گئے تو پہنچ کر "الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!" کے ساتھ سلام پیش کیا تو روضۂ اقدس سے جواب آیا: "**وعلیک السلام یا شمس العارفین!**"۔

حالانکہ اس سے پہلے یہ خطاب آپ کو کسی نے نہیں دیا، سب سے پہلے یہ خطاب آپ کو روضۂ اقدس سے ملا اور پھر پوری دنیا میں اسی خطاب کے ساتھ مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ تمام اعمال کا مدار خلوص نیت اور ادب پر ہے، حضرت شمس العارفین کو جب یہ عظیم خطاب ملا، یہ ان کے روضۂ اقدس کی حاضری کے سلسلے میں ادب کا ثمرہ تھا۔

(۵) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا واقعہ ہے کہ آپ قلم سے کچھ تحریر فرما رہے تھے کہ اسی دوران قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش

آئی، بیت الخلاء میں جانے کے بعد آپ کی نظر انگوٹھے پر پڑی، جس کے ناخن پر روشنائی کا ایک نقطہ لگا ہوا تھا جو کتابت کے دوران قلم کی درستگی کے لیے عموماً انگوٹھے کا سہارا لینے کے وقت انگوٹھے کے ناخن میں لگ جایا کرتی ہے، آپ نے جب روشنائی کو انگوٹھے پر دیکھا تو بیت الخلاء سے فوراً باہر نکل آئے، اور اس کو دھوکر صاف کیا اور اس کے بعد بیت الخلا تشریف لے گئے، فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے آپ نے فرمایا کہ اس سیاہی کے نقطہ کی علم کے ساتھ ایک نسبت ہے، اس لیے اس کے ساتھ بیت الخلا میں جانا بے ادبی معلوم ہوئی، اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد بیت الخلا سے نکل آیا اور اس کو دھوکر دوبارہ واپس گیا۔

(۶) حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ اکثر کلیر شریف حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کے مزار پر اکتسابِ فیض روحانی کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن اس حاضری میں آپ کا معمول یہ تھا کہ مزار سے بہت پہلے پاؤں سے جوتے نکال کر ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے اور کمالِ ادب ومحبت میں ننگے پاؤں مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔

یہ ہمارے اسلاف و بزرگوں کے ادب وتأدب کے چند واقعات تھے، جن کو میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح کے ہزاروں واقعات سے کتابوں کے صفحات لبریز ہیں، جن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، تاکہ زندگی میں ادب وتأدب پیدا ہو سکے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔

اللہ والوں کا دل دکھانے سے بچنا چاہیے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین و مسترشدین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اللہ والوں کا دل چھوئی موئی پھول کی طرح ہوتا ہے، چونکہ ذکر اللہ کے ذریعہ ان کا قلب بہت لطیف اور حساس بن جاتا ہے اور ان کے قلبی ادراک میں بہت تیزی پیدا ہوجاتی ہے، اس لیے وہ مشاہدات و مرئیات کا ادراک بہت جلدی کر لیتے ہیں اور ناگوار قلب و طبع چیزوں کا اثر ان کے دل پر بہت جلدی ہوتا ہے، اس لیے ہر سالک و مسترشد کو اس کا خیال و دھیان رکھنا بہت ضروری ہے کہ قولی یا فعلی یا عملی طور پر ایسی بات سرزد نہ ہو، جس سے شیخ کا قلب متأثر ہوجائے، اس لیے کہ فیضانِ قلب کی بحالی و تسلسل کے لیے سالک و مسترشد کی طرف سے عوارض و موانع اور مخلات سے شیخ کے قلب کی سلامتی ضروری ہے، معمولی سا تنکا بھی فیضان قلبی کے لیے بڑا روڑا ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے مثل مشہور ہے کہ جو شخص بھی کسی مقام پر پہنچتا ہے، وہ ادب و تعظیم ہی کی بدولت پہنچتا ہے اور کسی مقام و مرتبہ سے ترک تعظیم و ادب ہی کی وجہ سے گر جاتا ہے، اس لیے مثل مشہور ہے کہ ادب و تعظیم اطاعت سے بڑھ کر ہے، انسان گناہ کی وجہ سے کافر تو نہیں ہوتا مگر گناہ کو ہلکا سمجھنے اور ترک تعظیم کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، یہ وہ دقیق ولطیف بات ہے جس کو سمجھنے اور دل و دماغ میں بٹھانے کی ضرورت ہے، خاص طور پر راہِ سلوک کے سالکین کے لیے بے پناہ قیمتی اور اہم اور قابل توجہ امر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خانقاہ اور ایک ابدال

ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں ملاقات وزیارت کے لیے حاضر ہوئے، جب خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص پڑا ہوا ہے، جس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہیں، اندر پہنچ کر حضرت پیران پیر سے اس کے بارے میں دریافت کیا اور اس کی صحت کے بارے میں دعا کی درخواست کی، حضرت پیران پیر نے اس کو ڈانٹ دیا اور فرمایا: چپ رہو وہ بے ادب و گستاخ ہے، اس کو بے ادبی کی سزا ملی ہے، یہ چالیس ابدالوں میں سے ایک ابدال ہے، کل یہ کئی ساتھی ہوا میں پرواز کرتے ہوئے جا رہے تھے، جب خانقاہ کے پاس سے گزرے تو اس کے دوسرے ساتھی ادب واحترام میں خانقاہ کے دائیں بائیں سے گزر گئے، لیکن یہ خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا، جب خانقاہ کے اوپر پہنچا تو خانقاہ کی تجلی نے اس کی پرواز کو سوخت کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ زمین پر آ گرا اور گرنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، اس کی اس گستاخی و بے ادبی کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کو یہ بھوگ رہا ہے۔

(۲) حضرت جنید بغدادی عید کی رات میں اپنی خانقاہ میں جلوہ افروز تھے، آپ کی خدمت میں چار رجال غیب حاضر ہوئے، خیر خیریت کے بعد آپ نے ان چاروں سے پوچھا کہ کل عید کی نماز تم کہاں ادا کرو گے؟ ان میں سے ایک نے کہا: مکہ معظّمہ میں۔ دوسرے نے کہا: مسجد نبوی میں۔ تیسرے نے کہا: بیت المقدس میں۔ چوتھے نے کہا کہ حضرت! آپ کے ساتھ میں عید کی نماز ادا کروں گا، آپ یہ جواب

سن کراس کے حسن ادب پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: **أعلمهم و أفضلهم** ۔ کہ تم اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں راہ طریقت کے سب سے زیادہ جان کار اور اپنے ساتھیوں میں افضل ترین ہو۔

(۳) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء شیخ علی مکی کے حوالہ سے ملکِ کرمان کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ وہاں ایک قاضی صاحب تھے، جو سال میں کبھی کبھار سماع کی مجلس منعقد کیا کرتے تھے اور کرمان کے سارے مشائخ اس میں جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے کے ایک اللہ والے کو اس مجلس کا جب حال معلوم ہوا تو بغیر بلائے وہ بھی اس مجلس میں آ کر بیٹھ گئے، جب سماع کی مجلس شروع ہوئی تو اس باکمال درویش کے بدن میں جنبش شروع ہوگئی اور حالتِ وجد میں وہ کھڑا ہوگیا، قاضی صاحب کو اس خستہ حال، انجانے شخص کا کھڑا ہونا برا لگا، انھوں نے ڈانٹ کر بٹھا دیا، درویش بادلِ ناخواستہ بیٹھ گیا، اگر چہ اس کی وجہ سے اہل مجلس میں اس کی بہت سبکی ہوئی، لیکن خاموشی کے ساتھ وہ بیٹھا رہا؛ تا آنکہ مجلس سماع میں شباب پیدا ہوگیا اور ہر ایک پر تقریباً وجد وتواجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی کیفیت میں قاضی صاحب بھی کھڑے ہونے کے لیے اٹھے، تو اس کسمپرس اور خستہ حال درویش اللہ والے نے بلند آواز سے کہا: بیٹھ جاؤ۔ قاضی صاحب اس کی آواز سے کچھ ایسا خوف زدہ ہوئے کہ فوراً بیٹھ گئے۔

مجلس ختم ہونے کے بعد سارے لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے وہ اللہ والے بھی چلے گئے، لیکن قاضی صاحب تمام تر کوشش کے باوجود نہیں اٹھ پائے اور اسی جگہ

اسی حال میں سات سال تک بیٹھے رہے، تمام تر کوشش کے باوجود وہیں ان کی موت ہوئی اور دنیا سے رخصت ہوگئے اور یہ سزا تھی اس گستاخی و بے ادبی کی اور دل دکھانے کی جو ایک خدا رسیدہ درویش اللہ والے کی شان میں انھوں نے کی تھی۔

اللہ پاک ایسی گستاخی و بے ادبی سے ہر ایک کی حفاظت فرمائے اور ہر ایک کو ادب و احترام کے ساتھ جینے اور چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دنیوی و اخروی خسران ونقصان سے اللہ حفاظت فرمائے، آمین۔

ایک شکل کا کئی جگہوں پر دکھائی دینا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرات صوفیاء کے یہاں ایک بات جو کتابوں میں بھی موجود ہے اور لوگوں کے تجربات سے بھی ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کبھی کبھی ایک ہی شکل میں کئی مقامات پر دیکھے جاتے ہیں، چنانچہ ایک بزرگ سید علی ہمدانی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک ہی وقت میں کئی لوگوں کی دعوت قبول کی اور ہر جگہ کھانے پر وہ حاضر رہے، اسی طرح حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے بارے میں کتابوں میں مذکورہ ہے کہ وہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں پندرہ مقامات پر نظر آئے۔

اس مسئلہ کے سلسلے میں حضرت خواجہ گیسو دراز جو کبارِ اولیاء میں سے ہیں،

انھوں نے یہ فرمایا: ایک شخص حقیقتاً ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوتا ہے، باقی مقامات پر جو وہ دکھائی دیتا ہے، وہ اس کی صورت مثالیہ ہوتی ہے، نیز بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کا ہم شکل ظاہر کر دیتا ہے، جس کی خبر اس ولی کو بھی نہیں ہوتی ہے۔

جیسے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ایک مرید کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک جگہ کے بادشاہ نے شیخ کی خدمت کے لیے ایک باندی مرید کے سپرد کر دیا، تا کہ وہ شیخ تک پہنچا دے، دوران سفر مرید کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے غلط ارادے سے باندی کی طرف ہاتھ بڑھایا، اسی دوران اچانک شیخ نمودار ہوئے اور مرید کو ایک طمانچہ رسید کیا، جس سے وہ اپنی حرکت سے باز آ گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اسی انداز کی بات لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اولیا کی صورت مثالیہ ہوتی ہے، حقیقت میں وہی ولی نہیں ہوتے، حضرت شیخ غلام علی شاہ، جو دہلی کے ایک اونچے بزرگوں میں سے تھے، ایک صاحب ان سے بیعت ہونے کے لیے اپنے وطن سے نکلے، رات کی تاریکی میں وہ راستہ بھٹک گئے، اسی درمیان انھوں نے دیکھا کہ کوئی صاحب ان کو راستہ بتلا رہے ہیں، چنانچہ جب وہ صحیح راہ پر گامزن ہو گئے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا: میں وہی ہوں جن سے بیعت ہونے کے لیے تم جا رہے ہو۔ جب یہ واقعہ انھوں نے پہنچ کر حضرت غلام علی شاہ سے بتایا تو وہ کہنے لگے کہ میں تو پوری رات یہیں تھا، کہیں گیا بھی نہیں، اس

طرح کے بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں، یہ دراصل اللہ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، لیکن اللہ جل شانہ اس شخص کے پسندیدہ اور محبوب افراد میں سے کسی فرد کو مدد کے لیے بھیج دیتے ہیں، تاکہ اجنبی شکل کو دیکھ کر اس کو وحشت نہ ہو اور اس کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

نسبتِ اویسیہ کی حقیقت اور وضاحت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بزرگوں کے یہاں نسبت کی ایک قسم نسبتِ اویسیہ بھی ہے، سالک کو چاہئے کہ اس نسبت کے سلسلے میں بھی ضروری معلومات اس کے ذہن میں رہے، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی یا کج فہمی نہ پیدا ہو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ جن کی روحانی صلاحیت واستعداد بہت قوی ومضبوط ہوتی ہے، ان کو کبھی کسی نبی یا کسی ولی کی روح سے فیض پہنچتا ہے، ایسے لوگوں کو اویسی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت اویس قرنی نے بھی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ اٹھائے بغیر آپ سے فیض حاصل کیا۔

اور اپنے اکابرین میں جس طرح حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی بیعت

تو حضرت شاہ عبد الحق رودولوی کے پوتے سے ہوئے، لیکن روحانی طور پر تربیت انھوں نے حضرت شیخ عبد الحق رودولوی سے حاصل کی۔

حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں کہ اویسی وہ ہے جس کو ظاہر میں کسی پیر کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ ایسے شخص کی تربیت براہِ راست حضرت نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گہوارہ سے ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت اویس قرنی کی ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی ''شفاء العلیل'' میں نسبتِ اویسیہ کو صحیح اور قوی قرار دیا ہے اور اپنی ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں: جس کو نسبت اویسیہ حاصل ہوتی ہے، اس کو ان ارواح سے جن سے فیض حاصل ہوا ہے، محبت اور عشق ہو جاتا ہے اور یہ اثر ان کے تمام احوال میں سرایت کر جاتا ہے، جس طرح پانی کسی درخت کی جڑ میں ڈالنے سے اس کی تازگی ہر شاخ اور برگ وثمر میں سرایت کر جاتی ہے، اسی وجہ سے مشائخ کی قبروں کی زیارت پر مداومت اور ان کے ایصالِ ثواب کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ بات بہت دقیق اور اہم اور قابلِ اعتناء وفہم ہے، اس سے بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ سے رجوع کرنے کا حکم

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

تصوف کا ایک پیچیدہ مسئلہ اور ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شیخ سے بیعت کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شیخ بدعتی ہے یا غلط عقیدے کا حامل ہے، ایسی صورت میں مشائخِ حقہ یہ فرماتے ہیں کہ فوراً کسی حق پرست شیخ سے بیعت ہو جائے اور اس بیعت کو کالعدم تصور کرے۔

لیکن اگر وہ شیخ صحیح عقیدہ کا حامل ہو، لیکن وہ با فیض نہ ہو یا اس سے کسب فیض میں دشواری یا رکاوٹ ہو یا اس کی باطنی ترقی کے لیے شیخ کے پاس ذرائع نہ ہوں تو ایسی صورت میں کیا ایسا شخص دوسرے با فیض شیخ سے رجوع کر سکتا ہے، جس سے کسبِ فیض میں سہولت ہو اور ان کے پاس باطنی ترقیات کے ذرائع بھی موجود ہوں۔

اس سلسلے میں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی کتابوں میں جو مذکور ہے، اس کا حاصل یہ ہے، اس کی اجازت و گنجائش ہے، لیکن شیخ اول کی توہین وتحقیر، تنقیص و تذلیل کی اجازت نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ حسن عجمی نے شیخ عیسیٰ مغربی سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کا کوئی شیخ موجود ہو جس سے وہ بیعت ہو تو اس شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ سے بیعت ہونا اس کے لیے کیا درست ہے؟ اس کے جواب میں شیخ عیسیٰ مغربی نے فرمایا کہ باپ تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن چچا بہت ہو سکتے ہیں۔ یعنی پہلے شیخ کا مرتبہ بہ حیثیت باپ کے ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جانا چاہئے جو باپ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اسی انداز کا سوال ایک مرتبہ خواجہ گیسو دراز نے اپنے شیخ خواجہ نصیر الدین

چراغ دہلوی سے کیا تو اس کے جواب میں حضرت خواجہ چراغ دہلوی نے فرمایا کہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ یعنی یہ جائز تو ہے، لیکن اپنے شیخ اول سے عقیدت کو بحال رکھے، حسن ظن کی جگہ سوءِظن کو نہ آنے دے۔

تقریباً اسی انداز کی بات شیخ شرف الدین یحیٰ منیری نے بھی لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی اجازت وگنجائش ہے۔

یہ سوال ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی سے ان کے ایک مرید نے کیا تو حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ راہِ سلوک کا مقصود و مقصد تعلق مع اللہ وقربِ خداوندی ہے اور شیخ اس کا صرف ذریعہ اور واسطہ ہے، لہٰذا اگر کوئی طالب اپنے شیخ کے ذریعے کو کمزور محسوس کرے اور اس کے مقابلے میں دوسرے شیخ کے ذریعے کو مضبوط محسوس کرے اور اس کی طرف اس کی طبیعت کا میلان و جھکاؤ بھی ہو تو دوسرے شیخ سے رابطہ میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جائز ہے۔ البتہ شیخ اول کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شیخ سے بیعت ہو اور دوسرا شیخ اس کو اپنی طرف سے خرقۂ خلافت سے سرفراز کردے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح ایک شیخ کی اجازت ہوتے ہوئے، دوسرا شیخ اس شخص کو اجازت وخلافت سے نواز دے تو اس لین دین میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حضراتِ کبار مشائخ کے معمولات وطرز سے یہی معلوم ہوتا ہے، جس کے بہت سے نظائر اسلاف سے ملتے ہیں، جو کتابوں میں مذکور ہیں۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ والوں کی ہر چیز میں اللہ پاک ایک خاص قسم کی تاثیر پیدا کردیتے ہیں جس سے عام انسان خالی ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے دہلی کی مسجد فتح پوری میں چالیس دن کا اعتکاف فرمایا، چلہ پورا کر کے جب باہر نکلے تو ایک کتے پر آپ کی نظر پڑ گئی اس کو آپ نے غور سے دیکھا یعنی اس پر آپ کی توجہ پڑ گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کتے میں ایسی جاذبیت پیدا ہوگئی کہ جس کتے کی اس پر نظر پڑتی وہ اس کے ساتھ ہولیتا، وہ کتا جہاں بیٹھتا سارے وہاں بیٹھ جاتے اور جب چلتا سب اس کے ساتھ چل پڑتے اور یہ سب تاثیر تھی حضرت رائے پوری کی پُراثر نگاہ کی۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ جب ایک جانور پر اللہ والے کی نگاہ کا اثر یہ ہے تو انسان پر اس کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا؟

چار قسم کے انسانوں کی صحبت سے بچنا چاہئے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

چار قسم کے انسان ایسے ہیں کہ ان کی صحبت ومجالست سے گریز کرنا چاہئے۔

(۱) بخیل، بخیل کی دوستی سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے، اس لئے کہ بخیل شخص کی طبیعت میں بخل ہوتا ہے، وہ تم کو ایسے وقت دھوکہ دیدے گا جب تم کو اس کی

ضرورت ہوگی، تم کو اس وقت پھر بہت افسوس ہوگا کہ کس کمینہ کو میں نے دوست بنایا کہ جب اس کی مجھ کو ضرورت پڑی تو اس نے دغا دیدیا۔

(۲) کذاب جھوٹا، جھوٹے کی دوستی سے بھی پرہیز کرو اس لئے کہ وہ اپنی کذب بیانی کے ذریعہ دور کو قریب اور قریب کو دور کردے گا اور تم اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے بہت سے اپنوں سے دور ہو جاؤ گے اور ان کو ضائع کردو گے جو تمہارے لئے نقصان کا باعث ہوگا۔

(۳) فاسق، فاسق کی دوستی سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ فاسق آدمی ایک لقمہ کے بدلہ تم کو بیچ دے گا۔

(۴) قطع رحمی کرنے والا، کیونکہ قرآن پاک میں قطع رحمی کرنے والے پر لعنت موجود ہے، لہٰذا ایسے شخص کی مصاحبت نہ اختیار کرو جو ملعون ہو، کہیں اس کی لعنت کا اثر تم پر بھی نہ ہو جائے، خاص طور پر جو ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور ایسا لڑکا جو والدین کا باغی اور دشمن ہو، اس سے تو بہت دوری بنا کر رکھو کیونکہ ایسے لوگوں کی محبت ومجالست آگ سے کم نہیں ہے، عام طور پر ایسے لوگ چکنی چپڑی باتیں کر کے لوگوں کو اپنے سے قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسوں کی صحبت سے اسی طرح بھاگنا چاہئے جیسے سانپ بچھو سے بھاگا جاتا ہے، اس لئے کہ جو اپنے ماں باپ کا نہیں ہے ان کو ڈنک مارتا رہتا ہے، وہ تمہارا کب اور کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس کے ڈنک سے تم کیسے بچ سکتے ہو جبکہ وہ کذاب بھی ہو مکار بھی ہو، عیار بھی ہو تو اس کی عیاری سے تم کب تک بچو گے؟

بُری صحبت کا نتیجہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

صحبت کی تاثیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے کہا گیا ہے کہ صحبت صالح ترا صالح کند اور صحبت طالح ترا طالح کند۔ آدمی عطار کی دکان میں رہے اور اس سے اس کا دل و دماغ متاثر نہ ہو اور بھٹیارے کی دوکان پر رہے اور اس سے اس کا دل و دماغ متعفن نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے: "**الناس علی دین خلیلہ فلینظر من یخا للہ بہ**" اچھے برے ساتھی اور دوست کی صحبت ومعیت مجالست ورفاقت سے زندگی تو متاثر ہوتی ہی ہے اس سے خاتمہ بھی متاثر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک بزرگ کے ایک قریبی تعلقاتی کے دنیا سے جانے کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اللہ والے کو بلایا تا کہ ان کی توجہ اور دعاء کی برکت سے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے آنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بہت توجہ ڈالی لیکن ان کی توجہ کا ذرہ برابر بھی اس کے قلب پر اثر نہیں ہوا، یہ ماجرا دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے، اخیر میں جب اللہ کی طرف متوجہ ہوئے تو من جانب اللہ یہ القاء اور الہام ہوا کہ اس شخص کے کفار ومشرکین اور اللہ کے دشمنوں سے قریبی وقلبی تعلقات تھے جس کی وجہ سے اس کے قلب پر ظلمت کی ایسی دبیز چادر پڑ گئی ہے کہ وہ ظلمت دور نہیں ہوسکتی ہے، نتیجۃً اللہ کے ولی مایوس ہو کر اس کے پاس سے واپس آ گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بری صحبت کے اثر سے خاتمہ بھی متاثر ہوتا ہے، اس لئے بری صحبت سے بہت زیادہ پرہیز اور گریز کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک ہر سالک کو اجانب واغیار کی صحبت بد سے حفاظت فرمائے۔

اللہ والوں کی محبت مغفرت کا ذریعہ ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ والوں کی محبت رائیگاں نہیں جاتی، ہر حال میں ان کی محبت کام آتی ہے، اس لئے سالکین کو اس کی قدر کرنی چاہئے اور اپنی دنیا کی کامیابی کے ساتھ اخروی نجات کا اس کو سرمایہ سمجھنا چاہئے۔ اسلاف کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک صاحب کا انتقال ہوا، اللہ پاک نے اس کی مغفرت فرمادی، لیکن اس کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھ میں نہیں آیا اس نے ہمت کر کے اللہ پاک سے سوال کیا: اے اللہ میری مغفرت میں میرے کس عمل کا دخل ہے؟

جواب ملا اے میرے بندے تیرے نامہ اعمال میں یہ موجود ہے کہ ایک دن تو کسی راستہ سے جارہا تھا، اسی راستے سے میرے دوست بایزید بسطامی جارہے تھے تو نے ان کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں؟

کسی نے بتلایا یہ بایزید بسطامی ہیں، تم نے انکے بارے میں سن رکھا تھا کہ یہ اللہ کے ولی ہیں، اس لئے تم نے ان کو محبت بھری نگاہ سے دیکھا۔ بس میرے ایک

ولی کومحبت بھری نگاہ سے دیکھنا تمہاری مغفرت کا ذریعہ بن گئی۔

یہ صرف محبت سے دیکھنے کی برکت ہے، اگر کوئی کسی اللہ کے ولی کی خدمت کرے اس کی تابعداری میں رہے تو کیا اس کا ثمرہ اس کو نہیں ملے گا؟

ضرور ملے گا، ہزاروں کو ملا ہے اور آج بھی مل رہا ہے، لیکن جنہوں نے کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا اور تکلیف دی اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوئی جس کی ایک دو نہیں ہزاروں مثالیں ہیں۔

اسی لئے ارشاد ہے: "**من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب**"۔

ذرائع علم کا ادب

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اسلام نے جہاں بہت سی چیزوں کی تعلیم دی ہے وہیں ادب وتأدب کی بھی تعلیم دی ہے اور ہمارے بڑوں نے ہمیشہ ترجیحی طور پر اپنایا جس کے بہتر ثمرات سے وہ فیضیاب ہوئے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری جو دار العلوم دیوبند کے قابل ذکر وفخر اساتذہ میں سے تھے اور جن کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا، ان کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا اور جب مطالعہ کرتے تھے تو کبھی بلا وضوء کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور کتاب میں حاشیہ کے مطالعہ کا وقت آتا تو کتاب کے بجائے خود اٹھ کر حاشیہ کی جگہ

بیٹھ جاتے، کتاب کا رخ تبدیل نہیں کرتے تھے۔

نیز کتابوں کے رکھنے میں بھی ادب کو ملحوظ رکھتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان کے علم میں ایسی برکت ڈالدی کہ اپنے زمانہ کے علامہ بن گئے اور ان کے علم کی لوگوں کے دلوں میں ایسی عظمت پیدا ہوئی کہ کبار علماء انکے علمی تبحر کے اعتراف پر مجبور ہوگئے۔ اور خود فرمایا کرتے تھے کہ میں اس مقام پر علم اور ذرائع علم یعنی کتاب کے ادب کی وجہ سے پہونچا۔

بیعت کی برکت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

تصوف بھی دین کا ایک اہم ستون ہے اور اس کی کوئی چیز فضول و بیکار نہیں ہے، حتی کہ صرف بیعت ہوجانا بھی فائدہ سے خالی نہیں، اگر اس کے بعد کچھ کرلیا تو سبحان اللہ اور اگر صرف بیعت ہوگیا تو بھی نفع سے خالی نہیں۔

چنانچہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عورت بیعت ہوئی اور حضرت کے بتائے ہوئے معمولات کی حتی المقدور پابندی کرتی رہی لیکن اس کے بعد ملاقات وزیارت کی نوبت نہیں آئی تا آنکہ اس عورت کے دنیا سے جانے کا وقت آ گیا۔

اخیر وقت میں جب اس پر غشی طاری تھی اسی حالت میں کہنے لگی دیکھو حضرت آ رہے ہیں، دیکھو حضرت میرے پاس آ گئے، یعنی حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، دیکھو حضرت مجھے کچھ پڑھا رہے ہیں، اس کے بعد اس عورت نے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کیا اور اس کے بعد روح قبض ہوگئی۔

یہ برکت تھی بیعت کی اور اللہ والوں سے تعلق کی کہ ایمان پر خاتمہ نصیب ہوا۔

اللہ والوں کی نظر چھوٹی باتوں پر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ والوں کی نظر بعض ایسی چھوٹی باتوں پر ہوتی ہے جہاں اکثر لوگوں کی نظر نہیں پہونچتی لیکن جو پہونچے ہوئے ہوتے ہیں ان کی پہونچ بہت بڑی ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک اللہ والے تھے ان کے سامنے جب گرم اور ٹھنڈی روٹی پیش کی جاتی تو وہ پہلے ٹھنڈی روٹی تناول فرماتے، بعض خدام نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ گرم چھوڑ کر ٹھنڈی روٹی پہلے کھاتے ہیں؟ حالانکہ دنیا والوں کا معمول تو اس کے برعکس ہے، وہ پہلے گرم روٹی کھاتے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ کے ولی نے فرمایا ٹھنڈی روٹی پہلے پکی ہے، اس لئے اس کو قرب زمانی کی نسبت زیادہ حاصل ہے، جو گرم روٹی کو حاصل نہیں، چونکہ وہ بعد میں پکی ہے۔

اس لئے میں ٹھنڈی روٹی پہلے کھاتا ہوں، یہ جواب سن کر حاضرین اور خدام حیران ہو گئے اور عش عش کر کے رہ گئے۔

کہ اللہ والوں کی نظر کتنی باریک ہوتی ہے اور کس طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی وہ نسبت قرب و بعد کو تلاش کر لیتے ہیں۔

ایک دینار کی برکت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ والوں سے تعلق کی برکت بھی عجیب ہوتی ہے، ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کے ایک مرید نے حضرت سے حج پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اسی کے ساتھ اپنی بے بضاعتی کا بھی گلہ کیا، حضرت نے مرید کی طلب کو صادق پا کر اپنے پاس سے ایک دینار مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ یہ ایک دینار لو اور حج کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

چنانچہ وہ شخص ایک دینار لے کر حج کے ارادہ سے نکل پڑا، بستی سے نکلا ہی تھا کہ ایک قافلہ نظر آیا، انھوں نے پوچھا بھائی کہاں جا رہے ہو؟ اہل قافلہ نے بتلایا کہ حج کے لئے جا رہا ہوں، اس نے خوش ہو کر کہا بھائی میں بھی حج کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہوں، لیکن میرے پاس سواری نہیں ہے، اہل قافلہ نے کہا ہمارے قافلہ کے رفقاء میں ایک صاحب بیماری کی وجہ سے سفر نہیں کر سکے، ان کی سیٹ فلاں سواری پر خالی ہے، اس پر جا کر بیٹھ جاؤ، چنانچہ وہ اس پر بیٹھ گیا۔

اس طرح قافلہ کا یہ شخص ممبر بن گیا، جہاں قافلہ ٹھہرتا کھانا پکاتے اہل قافلہ مہمان کو بھی کھانے میں شریک کرتے۔اس طرح پورے سفر حج میں ان کی حیثیت مہمان کی رہی تا آنکہ حج سے یہ فارغ ہوگئے، اور واپسی پر جہاں سے یہ قافلہ میں شریک ہوئے تھے وہاں لا کر اتار دیا،اس کے بعد مرید حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوکر پورے سفر کی کارگذاری سنائی اور ایک دینار کی برکت بتلائی،حضرت نے فرمایا دینار جب خرچ نہیں ہوا تو مجھے واپس کردو تاکہ اللہ کے کسی دوسرے بندہ کی ضرورت پوری ہوجائے۔

اللہ والوں کے پیسوں میں اسی طرح کی برکت ہوتی ہے جس کو دنیا دار نہیں سمجھ پاتے کہ ضرورت بھی پوری ہوجائے اور پیسہ بھی خرچ نہ ہو۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں تدریسی خدمات پر مامور تھا تو اولاً بیماری کا عارضہ بہت کم پیش آتا تھا،لیکن اگر کبھی دواء کی ضرورت پیش آتی تو اکثر شاہ گنج ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب سے دواء لیتا تھا اور جب دواء کی قیمت معلوم کرتا تو ہمیشہ یہ جملہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ''حساب دوستاں دردل''۔

اسی طرح کبھی کھیتا سرائے ڈاکٹر اشفاق صاحب کے یہاں سے دواء لیتا تو یہ کہہ کر خاموش کردیتے کہ حضرت پیسہ لینے کے لئے تو پوری دنیا پڑی ہے۔آپ تو بس دعاء دیدیں۔الغرض اللہ والوں کی ضرورت اس طرح پوری ہوجاتی ہے۔

اتباع سنت ہی اصل کرامت ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت جنید بغدادی ہی کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب اکتساب فیض کے لئے آپ کی خدمت میں کئی سال رہے۔ لیکن ایک طویل عرصہ تک رہنے کے باوجود آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی تو ایک دن اس نے عرض کیا کہ حضرت اجازت ہو تو میں کسی اور شیخ کے پاس چلا جاؤں، چونکہ اتنے لمبے عرصہ میں آپ کی کوئی کرامت نظر نہیں آئی۔

حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ اچھا میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا اصل کرامت اتباع سنت ہے اس سے بڑی کوئی کرامت نہیں ہو سکتی۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اس کے بعد فرمایا کہ عموماً اہل اللہ کے پاس رہنے والے انہی جیسی خرافات کے شکار رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ منزل مقصود تک نہیں پہونچ پاتے، حالانکہ اصل یہ ہے کہ اللہ والوں کی جو تعلیمات ہوں بندہ اس میں لگا رہے اور پابندی سے اس کو کرتا رہے، لیکن خواہ مخواہ کی چیزوں کی جستجو میں پڑ کر اپنے کو زوال پذیر بنا لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ فلاں اللہ والے کے پاس اتنے دنوں رہا لیکن کچھ ملا نہیں۔

اللہ والوں کی خدمت میں رہنے والوں کی ایک عادت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اللہ والوں کے پاس جولوگ رہتے ہیں بالخصوص دنیادارتو ان کی ہمیشہ نگاہ اسی انداز کی چیزوں پر رہتی ہے اس کے علاوہ اللہ والوں کی بشری کمزوری کی تلاش میں رہتے ہیں اور اگر کبھی کوئی دکھتی رگ ان کو مل گئی پھر ساری عقیدت اور خلوص دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے، اسی کو لے کر اڑ جاتے ہیں اور اس کو پَر لگا کر خوب اڑاتے ہیں، اس لئے اللہ والوں کو اپنی قربت سے بالخصوص دنیا داروں کو دور رکھنا چاہئے تاکہ اپنی بھی حفاظت رہے اور ان کی عقیدت بھی ضائع نہ ہو۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا ملفوظ

اسی لئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عوام کی عقیدت سے بیارو بچ کے رہیو اس لئے کہ "**عقیدة العوام کذکر الحمار اذا دخل دخل کلا و اذا خرج خرج کلا**"۔

ان کی عقیدت کا بھروسہ نہیں جب عقیدت مند ہوں گے، سر پر تعزیہ بنا کر بٹھالیں گے اور اگر کسی وجہ سے بدظن یا بدگمان ہو گئے تو تحت الثری پہونچانے میں ان

کو دیر نہیں لگتی۔

اس لئے ان سے تعلقات میں بین بین قریب بین بین بعید رکھنے ہی میں عافیت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک غلطی اکثر دیکھنے کو ملتی ہے کہ جب یہ دنیا دار کسی کو ہدیہ کا موٹا لفافہ پیش کر دیتے ہیں تو ان کے تعارف کے الفاظ بدل جاتے ہیں، انداز بدل جاتے ہیں، پھر خواص ان کا تعارف ان الفاظ میں شروع کر دیتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب ہیں اور فلاں حضرت کے مخلصین میں سے ہیں۔

افسوس ہوتا ہے اس وقت جب موٹے لفافہ کے بعد ایسوں کے لئے مخلص کا لفظ بولا جانے لگتا ہے۔

حالانکہ مخلص اس کو کہتے ہیں جس کا ہو اسی کا ہو کے رہ جائے اور یہ در در بھٹکنے والے موٹا لفافہ دے کر دانا ؤں سے بھی اپنے لئے مخلص کا لفظ بولوانا شروع کروا لیتے ہیں جو کسی درجہ میں مخلص کہلانے کے حقدار نہیں ہوتے۔

اس لئے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور اپنے ساتھ اپنی نسبت کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ملفوظ

اسی لئے حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کو دنیادار اور جاہلوں کی محبت اور عقیدت کا کبھی اعتبار نہ کرنا۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اپنے کو دنیاداروں اور جاہلوں کے حضرت حضرت کہنے سے اپنے کو حضرت سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے کو خادم قوم وملت سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں حضرت بنایا نہیں میرے اندر وہ صفات پیدا ہوئے یا نہیں۔ اس لئے ہر سالک کو بہت محتاط رہنا چاہئے اور ان نزاکتوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھ کر چلنا چاہئے اور اپنے بڑوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور وقت سے پہلے اپنے کو بڑا بنانے اور سمجھنے کی شیطانی تدبیر ومکر سے بچ کر رہنا چاہئے۔

جب مجھ کو تکلیف پہونچی میرے رب نے بدلہ لے لیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سالکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے بچ کے رہنا چاہئے ان کی دل آزاری اذیت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔

چنانچہ ایک اللہ والے ایک مرتبہ کہیں راستہ سے جارہے تھے، بارش کی وجہ سے راستہ کیچڑ آلود تھا جس کی وجہ سے چلنے میں چھینٹ بھی اڑ رہی تھی، اچانک آپ

کے پاس سے میاں بیوی کا ایک جوڑا گزرا اور آپ کے چپل کی چھینٹ بیوی کے کپڑے پر جا کر گر گئی، اس صورتحال کو دیکھ کر شوہر طیش میں آ گیا اور اسنے اللہ والے کو ایک عام آدمی سمجھ کر بہت برا بھلا کہا، بلکہ غصہ میں تھپڑ بھی رسید کر دیا، شوہر کے اس عمل سے بیوی بہت خوش ہوئی اور اس نے خوب داد دیا اور خوشی خوشی دونوں گھر کے لیے روانہ ہو گئے، جب دونوں گھر پہونچے تو سیڑھی پر چڑھتے ہوئے شوہر کا پاؤں سیڑھی میں اٹک گیا جس کی وجہ سے وہ وہیں پر گرا اور مر گیا شور و ہنگامہ کے بعد جب لوگ جمع ہوئے تو اس کی بیوی نے لوگوں سے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے شوہر نے ایک بڑے میاں کو ایک تھپڑ مارا تھا، لگتا ہے انہیں کی بد دعاء اور آہ کا یہ اثر ہے کہ میرا شوہر مر گیا، لوگ اس بڑے میاں کی جستجو میں نکلے اور اتفاق سے ان سے ملاقات ہو گئی، لوگوں نے ان سے واقعہ بتاتے ہوئے یہ کہا کہ آپ کی بد دعاء کی وجہ سے ایک جوان کی جان چلی گئی۔

اس کے جواب میں اس اللہ کے ولی نے کہا کہ میں نے بد دعا تو نہیں کی، البتہ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو بیوی سے محبت تھی، جب اس کی محبوبہ کو میری چپل کی چھینٹوں سے جو اس کے کپڑے کو غیر ارادی طور پر لگیں تو اس کے محبّ یعنی شوہر کو تکلیف پہونچی تو اس کے محبّ نے اس کا مجھ سے بدلہ لے لیا۔

اسی طرح مجھ سے میرے خالق و مالک اور پالنہار کو محبت ہے، اس لئے کہ میں نے کبھی اپنے کسی قول یا فعل یا عمل سے اس کو ناراض نہیں کیا تو جب مجھ کو تکلیف پہونچی اس کے تھپڑ مارنے سے تو میرے محبّ یعنی اللہ جل شانہ نے اس سے اس کا

بدلہ لے لیا۔

اسی لئے کہا گیا ہے: ''جزاء سیئة سیئة مثلها'' ۔لہٰذا اس دارفانی میں رہتے ہوئے مکافات عمل سے غافل نہیں ہونا چاہئے ''از مکافات عمل غافل مشو'' ۔

اور مثل مشہور ہے: جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ

اس لئے اللہ والوں کے ساتھ وہ لوگ جو واجب الاحترام ہیں جیسے ماں باپ، اساتذہ، مشائخ ان کے ساتھ کسی طرح کی بدزبانی یا بدگمانی یا الزام تراشی یا افترا پردازی یا اذیت رسانی یا دل آزاری، یا زبان درازی جیسی نارواو نازیبا و غلط حرکتوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچانا چاہئے، ورنہ آخرت تو تباہ ہوتی ہی ہے دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے۔آجلاً سزا کے بجائے عاجلاً من جانب اللہ اس کو سزا مل جاتی ہے۔

اس لئے اللہ پاک ہر سالک کی بالخصوص اس سے حفاظت فرمائے۔

رومال ڈالتے ہی انسان جانور نظر آنے لگے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمایا کہ اللہ والوں کے بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں، اس لئے ہر ایک کو اس کی کھود کرید میں نہیں پڑنا چاہئے، لیکن بعض لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہوتے ہیں اور زبردستی درپئے تحقیق ہو جاتے ہیں اور پھر جب ان کے سامنے صحیح صورتحال آتی ہے تو وہ حیران ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ جب جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد تشریف لے جاتے تو اپنے چہرے پر رومال اس طرح سے ڈالتے کہ نگاہ کے ساتھ پورا چہرہ چھپ جایا کرتا تھا، بہت سے وہ لوگ جو ہفتہ بھر آپ کی زیارت کے منتظر رہتے تھے جمعہ کے دن بھی زیارت سے محروم رہنے لگے، جب لوگوں نے کثرت سے اس کی شکایت خادم سے کی تو خادم نے ہمت کر کے حضرت شاہ صاحب سے لوگوں کی شکایت کا تذکرہ کیا اور اس ہیئت کو بدل کر چہرہ کھول کر جامع مسجد تشریف آوری کی درخواست کی۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا رومال سر سے اتار کر خادم کے سر پر ڈال دیا، رومال سر پر رکھتے ہی خادم بے ہوش ہوکر گر گیا، لوگوں نے دوڑ کر اسکو اٹھایا اور سمبھالا جب خادم ہوش میں آیا تو کہنے لگا کہ جیسے حضرت شاہ صاحب نے رومال میرے سر پر ڈالا بازار کے سارے لوگ کتے اور خنزیر اور بلی و بندر کی شکل میں نظر آنے لگے، اس منظر کو دیکھ کر میں بے ہوش ہوگیا۔

اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحب اپنے سر پر رومال ڈال کر اور چہرہ چھپا کر جامع مسجد آتے جاتے تھے تاکہ ان کی اصل صورت ان کو نظر نہ آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے ذاتی مخصوص اعمال کے کھود کرید میں لوگوں کو نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ ان سے علمی و عملی و روحانی اکتساب فیض تک اپنے کو محدود رکھنا چاہیئے، بہت زیادہ اندر گھسنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، اس لئے کہ اس سے بعض مرتبہ نفع سے زیادہ نقصان ہوجاتا ہے اور اس کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

اے سری تو میرے جیسا ہو جا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت سری سقطی کبار اولیاء میں سے ہیں اور ابتداء عہد کے کبار صوفیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، معروف کرخی، حبیب عجمی جیسے متقدمین صوفیاء کے آپ صحبت یافتہ ہیں اور بغداد میں تصوف کی داغ بیل آپ ہی نے ڈالی اور اس کی اشاعت کا سہرا بھی آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ نیز حضرت جنید بغدادی کو جنید وقت بنانے میں آپ ہی کا اہم رول رہا ہے، چونکہ جنید بغدادی حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت پر آپ نے خصوصی توجہ دی اور آپ ہی کی برکت سے حضرت جنید بغدادی آسمان تصوف کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔

حضرت سری سقطی ایک مرتبہ دوران سفر غلبۂ نیند دور کرنے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما ہوئے۔ درخت سے آواز آئی ''یا سری کن مثلی'' حضرت سری یہ آواز سن کر بیٹھ گئے، کئی مرتبہ آواز سننے کے بعد آپ کو یقین آ گیا کہ یہ آواز درخت سے آ رہی ہے، تب آپنے جواب دیا''**یا شجر کیف اکون مثلک**'' اے درخت میں تیرے جیسا کیسے بن سکتا ہوں۔

درخت نے جواب دیا: ''**ان الناس یرمون الی الحجارۃ و انا القی إلیھم الثمر**''، اے سری! لوگ مجھ پر پتھر پھینکتے ہیں، اور میں اس کے بدلہ میں ان کے قدموں میں پھل نچھاور کرتا ہوں، لہٰذا اے سری تو بھی ایسا ہی بن جا۔ حضرت سری سقطی

درخت کا یہ جواب سنکر حیران رہ گئے، لیکن معاً یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ جب اس کے اندر اتنی بڑی خوبی ہے تو اس کو کاٹ کر جلایا کیوں جاتا ہے اور ایندھن کیوں بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سری سقطی نے درخت کو مخاطب کر کے یہ سوال کیا "**فکیف مصیرک الی النار**"۔

درخت نے اس کے جواب میں کہا کہ اے سری! جہاں میرے اندر بہت بڑی خوبی ہے اسی کے ساتھ میرے اندر ایک بہت بڑی خامی بھی ہے جس نے میری خوبی پر پانی پھیر دیا ہے اور وہ خامی یہ ہے "**فامیل بالھواء الی ھنا و الی ھنا**" یعنی میں ہوا کے ساتھ اپنا رخ تبدیل کرتا رہتا ہوں، جدھر کی ہوا چلتی ہے میں ادھر ہی جھک جاتا ہوں اور یہ نفاق کی علامت ہے، اسی وجہ سے میرا انجام وہ ہے جس کو تم دیکھتے ہو اور میری انتہا نے میری خوشگوار ابتداء پر پانی پھیر دیا ہے۔

حضرت سری سقطی دانائی پر مبنی اس کا جواب سن کر خاموش و حیران و ششدر ہو گئے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اس واقعہ کو سنانے کے بعد سالکین سے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ نفاق بہت بری خصلت ہے، قرآن و حدیث میں اس کی بہت مذمت آئی ہے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "**إن المنافقین فی الدرک الاسفل من النار**"۔ اس لئے عوام امت کے ساتھ بالخصوص سالکین کو اس مہلک وڈینجر بیماری سے اپنے کو بہت دور رکھنا چاہئے، بالخصوص اپنے شیخ و مرشد کے تعلقات میں نفاق کی بو بھی نہیں آنے دینا چاہئے اور انہیں لوگوں نے کچھ پایا بھی ہے جو مخلص بن کر اخلاص کے ساتھ اپنے شیخ کے بافیض دامن سے وابستہ رہے اور یہ ہمیشہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ

اللہ والے اپنے یہاں کے واردین وصادرین مریدین ومتوسلین کے اخلاص ونفاق کوخوب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں اور فراست کی نظر سے ہر آنے جانے والے اور ہر تعلق رکھنے والے کو وہ دیکھتے ہیں اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ کون منافق ہے اور کون مخلص، لیکن ان کا ہر ایک کے ساتھ برتاؤ محبانہ ومشفقانہ ہوتا ہے، اس سے اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ میں اللہ والوں کی نظر میں مخلصین میں سے ہوں، اس لئے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور تعلقات میں خلوص واپنائیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نفاق سے حفاظت فرمائے اور اپنے صلحاء کا مخلص بنائے۔

اپنے بڑوں کی استقامت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جو ہندوستان کے ان اکابرین میں سے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم بنے اور جنہوں نے اپنی پوری زندگی عبادت وریاضت کے ساتھ خدمت دین اور اشاعت علوم وفنون اور اسلام ومسلمانوں کی بقاء اور ملک وملت کی آزادی میں گزاردی۔

آپ جہاں علم ظاہر کے پہاڑ تھے اور دارالعلوم دیوبند جیسے مؤقر ادارہ کے شیخ الحدیث وصدر مدرس تھے وہیں آپ باطنی اعتبار سے اونچے مقام پر فائز تھے، اس وقت کے اکابرین کے آپ اجازت یافتہ تھے اسی کے ساتھ ملک وملت کے لئے ایک

عظیم قائد کی حیثیت بھی آپ رکھتے تھے، بالخصوص آزادی ہند کے لئے آپ بہت زیادہ فکرمند تھےاور سوزِ دروں کے ساتھ متحرک رہتے تھے۔

ریشمی رومال کی تحریک آپ ہی نے شروع کی جس کے نتیجے میں آپ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیرگل پشاوری کے ساتھ انگریز بدبختوں کے حکم پر حجاز مقدس میں گرفتار کیا گیااور مالٹا میں لاکر آپ کو قید بامشقت کی سزا سے گزارا گیااور ایک لمبے وقفہ تک آپ مالٹا کی جیل کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، بالآخر جون ۱۹۲۰ء میں مالٹا کی اسارت سے رہا ہوکر بمبئی پہونچے۔

حکیم اجمل خاں چونکہ آپ کے مریدین میں سے تھےاس لئے آپ کا علاج ومعالجہ انہی کے یہاں ہوتا تھا، چنانچہ مالٹا سے واپسی کے بعد بغرض علاج دہلی میں حکیم اجمل صاحب کے یہاں قیام پذیر تھےاور ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء منگل کے دن دہلی ہی میں آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار کرکے آپ نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا، انتقال کے بعد جب آپ کو غسل دیا گیااور غسل دینے والوں نے دیکھا کہ آپ کی پشت مبارک پر درجنوں سے زیادہ زخم کے گہرے نشانات ہیں جن کو دیکھ کر غسل دینے والے حیران ہوگئے، جب خواص میں اس کا تذکرہ آیا تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے اس راز کو فاش کیا جو مالٹا کی اسارت میں آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت مدنی نے فرمایا کہ مالٹا کی جیل میں آپ کی کمر کو ننگا کرکے آگ کے

انگاروں پر لٹایا جاتا اور ملعون انگریز کہتا کہ تم ہمارے ساتھ وفاداری کا عہد کرو اور ہمارے حق میں فتوی دو ورنہ ہم تم کو آگ کے انگاروں پر اسی طرح لٹائے رکھیں گے۔

حضرت کی کمر سے نکلنے والے خون سے انگارے بجھتے لیکن اس قدر اذیت اٹھانے کے باوجود حضرت انگریزوں کو جواب میں یہ فرماتے کہ میں تمہارے ساتھ وفاداری کا عہد ہرگز ہرگز نہیں کرسکتا اور نہ ہی تمہارے حق میں فتوی دے سکتا ہوں، تم کو جو کرنا ہو میرے ساتھ کرلو، میں جس کو حق سمجھتا ہوں اس پر پوری قوت کے ساتھ قائم ہوں اور مرتے دم تک قائم رہوں گا اور حضرت یہ بھی فرماتے کہ میں حضرت بلال حبشی کا وارث ہوں جن کو ریت کے اوپر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر چٹانیں رکھ دی جاتی تھیں۔

میں حضرت خبیب بن ارت کا وارث ہوں جنکی کمر پر زخموں کے نشانات زندگی بھر تھے۔ میں حضرت امام مالک بن انس کا وارث ہوں جن کے چہرہ پر سیاہی مل کر مدینہ کی گلیوں میں پھرایا گیا تھا۔ میں تو حضرت امام ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابت کا وارث ہوں جن کا جنازہ جیل سے نکلا تھا۔

میں تو حضرت امام احمد بن حنبل کا وارث ہوں جن کو حق بات کہنے کی وجہ سے ستر کوڑے لگائے گئے تھے۔

میں تو حضرت مجدد الف ثانی کا وارث ہوں جن کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کیا گیا تھا۔

میں تو حضرت شاہ ولی اللہ کا وارث وفرزند ہوں جن کے پنجہ اتروا کر نجف علی خاں جیسے ظالم وجابر نے آپ کے ہاتھ بیکار کر دیئے تھے۔

میں اپنے ان بڑوں کے کردار کو کیسے بھلاسکتا ہوں، آپ ملعون وخبیث و رذیل انگریزوں کی اذیتوں کو برداشت کرتے رہے، لیکن انگریز آپ سے جو کہلوانا چاہتے تھے آپ نے کبھی نہیں کہا، تا آنکہ آپ کو پھانسی دینے کا حکم سنا دیا گیا، لیکن لعین انگریزوں کو آپ کی استقامت علی الحق دیکھ کر نادم وشرمندہ ہونا پڑا اور ساری اذیت رسانی کے بعد مجبور ہو کر ایک دن قید بامشقت سے رہا کرنا پڑا۔ یہ ہمارے بڑوں کی استقامت تھی ان حضرات کے اس عزم واستقامت کو سلام ہو، کاش آج کے خوردوں کو اپنے ان بزرگوں کی حق گوئی کا کوئی شمہ مل جائے۔

طلباء اللہ کے رسول کے مہمان ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں سلسلہ گفتگو کے دوران فرمایا کہ:

مدارس میں جو طلباء قرآن حدیث، فقہ اور دین کا علم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں ان کو مہمان رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن بعض جاہلوں اور نادانوں کو ان کی یہ حیثیت سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے انکا اکرام واحترام تو درکنار ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو اپنی مجلسوں اور اپنی دعوتوں کے قابل نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے بھی علماء وطلباء کی قدر کی ہے ان کے گھروں میں علم اور دین کا دیا ضرور روشن ہوا ہے جس سے صرف گھر والے ہی نہیں بلکہ پورے علاقہ

میں روشنی پھیلی ہے اور ظلمت دور ہوئی ہے اور اس کے ایک دو نہیں ہزاروں واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

آج بھی یو پی کے مغربی اضلاع میں علم اور علماء اور طلباء کی جو عزت اور قدر ہے اسی کا ثمرہ ہے کہ ماضی کے ساتھ آج بھی وہ علاقہ علم کا گہوارہ بنا ہوا ہے، مشرق سے سمٹ کر علماء و طلباء اور وارثان علم نبوت کی ایک بھیڑ اس علاقہ میں موجود ہے/ جو یقیناً اہل مشرق کے لئے لمحۂ فکر یہ و قابل تقلید ہے۔

انبالہ کے ایک بزرگ تھے سائیں توکل شاہ جن کا دستر خوان بہت وسیع اور کشادہ تھا، ہر ایک کو ان کے دسترخوان پر آ کر کھانا کھانے کی اجازت تھی۔ چنانچہ دور وقریب کے غرباء و مساکین محتاجین ان کے دسترخوان پر پہونچ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سائیں توکل شاہ بابا نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم اللہ کی دعوت تو روز کرتے ہو لیکن میری دعوت کبھی نہیں کرتے، یہ خواب دیکھنے کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی اور اس کی تعبیر میں وہ بہت پریشان ہوئے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مطلب کیا ہے۔ چنانچہ چند روز کی جستجو کے بعد یہ الہام ہوا کہ تمہارے دسترخوان پر روزانہ غرباء مساکین یتامیٰ محتاجین تو آتے ہیں اور کھانا کھا کر جاتے ہیں، لیکن کبھی علماء، طلباء جو وارثین انبیاء ہیں اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں ان کو بلا کر نہیں کھلایا۔ یہ مطلب تھا حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے کا کہ تم نے کبھی ہماری دعوت نہیں کی۔ چنانچہ اس کے بعد سائیں توکل شاہ بابا نے شہر کے علماء و طلباء و حفاظ کو بلا کر بہت اہتمام کے ساتھ

دعوت کی اور اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ علماء وطلباء وحفاظ انبیاء کرام کے سچے وارث ہیں اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں اس لئے یہ چاہے جیسے بھی ہوں جب مدارس میں یہ آجائیں تو ان کی عزت وقدر کرنی چاہئے اور انکا جو حق بنتا ہے وہ حق دینا چاہئے۔

فیض جاری ہونے کے لئے تقوی کی ضرورت پڑتی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

انسان کی زندگی میں جتنا تقوی وطہارت اور انابت وتعلق مع اللہ ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کا فیض خواہ علمی ہو یا روحانی جاری وساری ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ شاطبی علیہ الرحمہ جن کی کتاب شاطبیہ فن قراءت میں بہت معروف ومشہور ہے اور ہر قاری سبعہ کے لئے شاطبیہ کا پڑھنا ضروری ہے، بغیر اس کی تعلیم کے فن قراءت کی تکمیل نہیں ہوتی، جب انہوں نے شاطبیہ کی تصنیف مکمل کر لی تو اس کتاب کو لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور وہاں پہونچ کر آپ نے بارہ ہزار مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور ہر طواف کے بعد دوگانہ ادا فرما کر اپنی کتاب شاطبیہ کی قبولیت عامہ کی دعا فرمائی، جب آپ بارہ ہزار طواف سے فارغ ہو گئے تو اس یقین کے ساتھ آپ واپس آئے کہ انشاء اللہ میری دعاء ضرور قبول ہو گئی ہوگی۔ چنانچہ آپ کے

کثرت طواف اور دعاء اور انابت الی اللہ کی برکت ہے کہ آپ کی اس کتاب کا فیض پوری دنیا میں رائج ہے اور ہر قاری کے ہاتھ میں یہ کتاب ہے اور اس سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علمی ہو یا روحانی فیض کے جاری ہونے کے لئے صاحب فیض کا صاحب تقوی وورع ہونا ضروری ہے۔

تیرا غلام تیرا حکم جاننا چاہتا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ علماء وطلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

تحصیل علم کے لئے تصحیح نیت بہت ضروری چیز ہے، جس طرح اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اسی طرح تحصیل علم کا مدار بھی نیت پر ہے جیسی نیت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند سے یہ سوال کیا کہ حضرت جو کتابیں آپ نے پڑھیں وہی کتابیں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پڑھیں لیکن جو مقام و مرتبہ آپ کو حاصل ہوا وہ دوسرے آپ کے ساتھیوں کو نہیں حاصل ہوسکا، اس کے جواب میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میرے اور ساتھیوں نے کتابیں اس نیت سے پڑھیں تاکہ مآخذ علوم دینیہ یعنی قرآن اور حدیث کے اسرار و رموز اور معارف وحقائق ان کو

معلوم ہو جائیں۔ چنانچہ ان کو یہ دولت حاصل ہوگئی اور وہ اس نعمت سے بہرہ ور ہو گئے، لیکن میں نے اس نیت سے پڑھا کہ اے اللہ تیرا غلام حاضر ہے، تیرا حکم جاننا چاہتا ہے، تاکہ اس حکم پر عمل کر سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تحصیل علوم میں نیتوں کے رخ و جہت کی بہت تاثیر ہے، اس لئے دوران طالب علمی درستگی نیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جب ہم نہیں ہوں گے تو تم ہی تم ہو گے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ علماء وطلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے "موت الاکابر کبرنا" کہ بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنا دیا ورنہ ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہم بڑے بنیں گے۔ ہمارے بڑے ہمارے درمیان سے یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے گئے جس کی وجہ سے ان بڑوں کا کام ہم خوردوں کو کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں لوگوں نے بڑوں کی حیثیت سے ہم خوردوں کو ماننا شروع کر دیا، اس طرح بڑوں کا کام کرنے کی وجہ سے ہم بڑے بن گئے ورنہ ہم نے از خود کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہم بڑے بنیں گے۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ جس سال دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو اس وقت حضرت مہتمم صاحب نے ان فضلاء کی

دستار بندی کے لئے ایک جلسہ کے انعقاد کا پروگرام بنایا، جب اس کی اطلاع حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو ہوئی تو اپنے چند رفقاء درس کو لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت سنا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب ہماری دستار بندی کے لئے جلسہ کا پروگرام بنا رہے ہیں، ہم لوگ اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتے کہ ہماری دستار بندی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لوگوں کی وجہ سے دارالعلوم کی بدنامی اور رسوائی ہو، اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ اس پروگرام کو موقوف کر دیا جائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ بات سننے کے بعد استاذ محترم حضرت شیخ الہند جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ میرے پیارو! ابھی تم اپنے اساتذہ کے درمیان ہو جو تمہارے بڑے ہیں اس لئے تم اپنے کو کچھ نہیں سمجھ رہے ہو اور بڑوں کے درمیان رہتے ہوئے یہ سوچ ہونی بھی چاہئے کہ ہم تو کچھ نہیں ہیں ورنہ پھر ترقی رک جاتی ہے اور انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن جب ہم نہیں ہوں گے، یعنی تمہارے بڑے جب رخصت ہو جائیں گے تو پھر تم ہی تم ہو گے۔

جس طرح چاند کی کامل و مکمل تابانی کے سامنے ستاروں کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے، اسی طرح بڑوں کے درمیان رہتے ہوئے خوردوں کا علم و فضل ان کی نگاہ میں مضمحل نظر آتا ہے، لیکن جس طرح جب چاند غروب ہو جاتا ہے تو ستارے اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ ضوفگن ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب بڑے نہیں ہوتے تو چھوٹوں

کا علم ضوفشاں بن جاتا ہے اور دنیا اس کی تابنا کی سے روشنی حاصل کرتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کی بات سچ ثابت ہوئی کہ بڑوں کے جانے کے بعد بڑوں کا کام جس انداز سے انہوں نے کیا اس سے پوری دنیا واقف ہے۔

یہ ایسی دال ہے کہ اس سے وضوء ہو جائے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے علماء وطلباء کو خطاب کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

طالب علمی کی زندگی جتنی مشقت اور مجاہدہ میں گزرتی ہے، اتنا ہی علم زیادہ اور پختہ ہوتا ہے اور جس قدر سہولت اور آسانی اور تعیّشات میں طالب علمی کا زمانہ گزرتا ہے اتنا ہی علم میں کمی اور کچا پن رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا تجربہ خود اس خادم کو بھی ہے کہ اس خادم کے طالب علمی کے زمانہ میں جب ذاتی اخراجات کے لئے اس خادم کو گھر سے صرف سات روپئے ملا کرتے تھے اس زمانہ میں بعض طلباء وہ بھی تھے جن کا (۳۰۰) تین سو روپیہ کا منی آرڈر ہر مہینہ گھر سے آیا کرتا تھا، لیکن اس کا نتیجہ اس خادم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس طرح وہ کورے آئے تھے اسی طرح کورے واپس ہو گئے۔

اس لئے طالب علمی کا زمانہ جتنی تنگی اور ترشی میں گزارا جائے اتنا بہتر ہے اور اسی میں فائدہ ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے جس وقت حضرت مولانا شاہ

رفیع الدین صاحب کا راہتمام کے فرائض سنبھال رہے تھے، اس وقت کی بات ہے کہ ایک طالب علم مطبخ کی پتلی دال لے کر آپ کے پاس سے گزرا اور آپ کو دکھاتے ہوئے یہ کہا کہ آپ کی نگرانی میں اتنی پتلی دال پک رہی ہے جس سے وضوء بھی ہوجائے، یہ کہتے ہوئے اس طالب علم نے وہ دال آپ کے سامنے زمین پر پلٹ دیا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کو بہت تکلیف ہوئی اور اس کی اس حرکت کو آپ نے بہت زیادہ گہرائی سے محسوس کیا، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ لڑکا دارالعلوم دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، اگر طالب علم ہوتا تو ایسی حرکت ہرگز نہ کرتا۔

چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ واقعۃً طالب علم نہیں تھا بلکہ وہ صرف کھانا کھانے کے لئے مطبخ میں آتا تھا اور کھانا کھا کر واپس چلا جایا کرتا تھا۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے زمانہ کا واقعہ

اسی انداز کا ایک واقعہ اس خادم کی موجودگی میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے زمانہ میں بھی پیش آیا وہ یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب کی مجلس میں اکثر دارالعلوم دیوبند کے طلباء بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے بھری مجلس میں دارالعلوم دیوبند کے کھانے کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ سوال کیا کہ حضرت دارالعلوم کے طلباء کو شام کے کھانے میں گوشت کے ساتھ جیسا شوربہ ملتا ہے اس سے وضوء کرنا جائز ہے؟

حضرت مفتی صاحب چونکہ حاضر دماغ کے ساتھ ظریف الطبع بھی تھے اور اکثر الزامی جواب دیا کرتے تھے، اس لئے الزامی جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس شوربہ سے پہلے استنجاء پاک کر کے دکھاؤ یعنی اگر استنجاء پاک کرلوگے تو وضوء بھی کر لینا۔

حضرت مفتی صاحب کا یہ جواب سن کر مجلس میں قہقہہ لگ گیا اور جس طالب علم نے سوال کیا تھا وہ شرمندہ ہو کر بھاگ گیا۔ حضرت مفتی صاحب کی اس فی البدیہ حاضر جوابی پر سارے حاضرین انگشت بدنداں ہوگئے اور سائل کے پاس مزید سوال کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ کا واقعہ

پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ان کی خانقاہ میں ایک بوڑھیا نے اپنے بچے کو تعلیم وتربیت کے لئے رکھا، کچھ عرصہ کے بعد بوڑھیا کا گزر خانقاہ کے پاس سے ہوا تو خیال آیا کہ لاؤ بچے سے ملاقات کرتی چلوں۔ چنانچہ اس کو تلاش کرتے ہوئے خانقاہ کے ایک کمرے میں پہنچی تو دیکھا کہ بچہ کمرہ کے ایک کونے میں اکیلا بیٹھا ہوا مطبخ کی دال اور روٹی کھا رہا ہے اور کافی دبلا اور کمزور ہو چکا ہے، یہ دیکھ کر بوڑھیا کو بہت غصہ آیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں شکایت کرنے کے لئے پہنچ گئی۔ جب بوڑھیا حضرت کے پاس پہنچی تو

حضرت کی خانقاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور حضرت کھانا نوش فرمارہے تھے اور کھانے کے دسترخوان پر مرغ پلاؤ تھا، یہ منظر دیکھ کر بوڑھیا کا غصہ دوبالا ہوگیا اور بہت سخت لب و لہجہ میں بولی کہ خود مرغ پلاؤ کھارہے ہو اور میرے بچے کو پتلی دال اور روٹی دے رکھا ہے، میرا بچہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔

بوڑھیا کی یہ بات سن کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے بہت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا بڑی بی آپ کے بچے کا منھ ابھی مرغ پلاؤ کھانے کے لائق نہیں ہوا ہے، یہ جواب سن کر بوڑھیا تلملا گئی اور کہنے لگی کہ ہاں تمہارا منھ مرغ پلاؤ کھانے کے لائق ہے، میرے بچے کا نہیں۔

بوڑھیا کی یہ بات سن کر حضرت پیران پیر کو جلال آیا اور حضرت نے کھائی ہوئی ان ہڈیوں کو جو دسترخوان پر پڑی تھیں مخاطب کر کے فرمایا "**قم باذن الله**" یہ فرماتے ہی ہڈیاں ایک دوسرے سے جڑنے لگیں اور اس پر گوشت پوست چڑھ گیا اور زندہ ہو کر دسترخوان پر ککڑوکوں بولنے لگا، یہ منظر دیکھ کر بوڑھیا پاؤں دبا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا، اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبتدی کو منتہی کے حالات و کیفیات پر نظر نہیں رکھنی چاہئے بلکہ اپنے کو مبتدی سمجھتے ہوئے مجاہدات کا عادی بنانا چاہئے۔

اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرمایا کرتے تھے جس نے ہماری ابتداء کو دیکھا وہ تو صدیق بن گیا اور جسنے ہماری انتہاء کو دیکھا وہ زندیق بن گیا۔

اس لئے ہر مبتدی اور ہر طالب علم اور ہر سالک کو ان امور کا خاص طور پر خیال اور لحاظ رکھنا چاہئے اور خواہ مخواہ کے تعیّشات کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت رائے پوری کے طالب علمی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری جو اونچے بزرگوں میں سے ہیں طالب علمی کے زمانہ میں جب وہ دارالعلوم دیوبند داخلہ کے لئے پہونچے تو معلوم ہوا کہ داخلہ بند ہو چکا ہے، یہ سن کر آپ بہت پریشان ہوئے، وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اتنے ہی بچوں کا داخلہ لیا جاتا ہے جتنے بچوں کا کھانا اہل دیوبند کے گھروں سے آتا ہے اور یہ کوٹا پورا ہو چکا ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر کھانے کا میں خود انتظام کرلوں تو کیا درس میں شرکت کی اجازت ہوگی؟ اس پر داخلہ منظور ہو گیا اور آپنے درسگاہ پہونچ کر درس میں شرکت شروع کردی۔

اور اپنے کھانے کا انتظام اس طرح کیا کہ رات میں دکان بند ہونے کے بعد آپ دیوبند کی سبزی منڈی تشریف لے جاتے اور دن بھر کی سڑی گلی سبزیاں جو مارکیٹ میں پھینکی ہوئی رہتی تھیں ان کو اٹھا کر لاتے اور اس کو دھو کر صاف کر کے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے، اس طرح پورا سال انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں گزارا،

لیکن درس اور سبق کبھی نہیں چھوڑا۔

اس طرح ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے علم اور طلب علم کی قدر کی اور اس کے لئے مجاہدہ کئے تب جا کر ان کے علم میں وہ نور پیدا ہوا کہ اس سے پورا عالم منور ہوا اور لاکھوں انسانوں کے دلوں کی ظلمت دور ہوئی اور علم کا چراغ روشن ہوا۔

طلب علم میں انہماک کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے علماء اور طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

حضرت علیؓ کا مقولہ ہے کہ "**العلم لایعطیک بعضہ حتی لا تعطی کلہ**" کہ علم کا کوئی ایک حصہ بھی تم کو اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک کہ تم اپنے کو مکمل طور پر علم کے حوالہ نہ کردو، اسی لئے وہی طلبہ طلب علم میں مکمل کامیابی حاصل کر پاتے ہیں جو اپنے کو علم کے حوالہ مکمل طور پر کردیتے ہیں اور ہر طرح کے عوائق وموانع سے اپنے کو دور رکھتے ہیں۔

آج کے مدارس سے علم اسی لئے اٹھتا جارہا ہے چونکہ طلبہ نے اپنے گرد وپیش اتنے علمی موانع جمع کر رکھے ہیں کہ انہیں سے ان کو فرصت نہیں ملتی، بالخصوص موبائل اور نیٹ کے استعمال نے طلبہ کی تعلیم کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے جس کا ان کو احساس بھی نہیں ہے اور جس کی وجہ سے علمی انحطاط اس قدر تیزی کے ساتھ بڑھ رہا

ہے کہ الامان الحفیظ۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا معمول طالب علمی کے زمانہ میں یہ تھا کہ انھوں نے ایک تھیلا بنا رکھا تھا جس میں آنے والے خطوط کو بغیر پڑھے ہوئے جمع کرتے رہتے اور سالانہ امتحان کے بعد ایک ایک خط کو نکالتے اور اس کا جواب دیتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے برخوردار حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے درس قرآن کے دوران ایک مرتبہ پانی طلب کیا جب اس کی ''اطلاع حضرت شاہ صاحب کو ہوئی تو آپ نے بیحد رنج اور تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ افسوس لگتا ہے کہ اب میرے خاندان سے علم اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اہلیہ نے بطور امتحان اور حضرت شاہ صاحب کی تسلی کے لئے پانی میں سرکہ ملا دیا لیکن سرکہ ملا ہوا پانی جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کو پانی سمجھ کر بلا تکلف پی لیا۔

جب درس قرآن سے فارغ ہوکر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب گھر واپس ہوئے تو والدہ نے پوچھا کہ بیٹا پانی کیسا تھا؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا میں نے پانی سمجھ کر پی لیا، مجھے نہیں پتہ کہ وہ پانی تھا یا اور کچھ، تب جا کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ کو اطمینان ہوا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ میرے خاندان میں علم زندہ رہے گا۔

اس طرح کے واقعات سینکڑوں ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے کس قدر انہماک اور یکسوئی کے ساتھ علم کو حاصل کیا اور کس انداز سے اپنے کو علم کے حوالہ کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ آج خوردوں کو اس سے

نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کے زمانے میں موبائل کے استعمال نے علم اور علماء کا جتنا نقصان کیا ہے اتنا نقصان ماضی میں کبھی نہیں ہوا اور یہ نقصان ترقی پذیر ہے، اللہ ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔آمین

مقتداء وعلماء حضرات کومحتاط رہنا چاہئے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

امت میں جو حضرات مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح حضرات علماء جن کو حضرت نبی پاکؐ نے سراج امت قرار دیا ہے، ان کو اپنی زندگی ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بچا کر رکھنی چاہئے، چونکہ ان کی اقتداء کرنے والے امت کے بہت سے افراد ہوتے ہیں، ان کی معمولی سی چوک بھی دوسرے لوگوں کو حرام میں مبتلا کر دیتی ہے اور بہت سے لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے سفر حج میں جب بعض صحابہ کے احرام کے کپڑوں کو مٹی لگنے کی وجہ مٹ میلا دیکھا اور زرد رنگ نظر آیا تو آپ نے اس احرام کی تبدیلی کا یہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ دیکھنے والے یہ نہیں جانتے کہ اس کپڑے کا رنگ مٹی لگنے کی وجہ سے بدل گیا ہے بلکہ یہ سمجھیں گے کہ زرد رنگ کا کپڑا ابھی احرام میں پہنا جا سکتا ہے۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کا واقعہ ہے کہ وہ بارش کے موسم میں مسجد نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لے جارہے تھے، سامنے سے ایک بچی آ رہی تھی، آپ نے محبت میں بچی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بیٹی راستہ بھیگا ہوا ہے، پھسلن ہے سنبھل کر چلنا، کہیں پاؤں پھسل نہ جائے، گر نہ جاؤ، اس کے جواب میں بچی نے کہا کہ حضرت آپ اپنی فکر کیجئے، اس لئے کہ اگر آپ پھسل گئے اور گر گئے تو پوری امت پھسل جائے گی اور گر جائے گی، اس لئے کہ آپ کی حیثیت امت کے لئے مقتداء کی ہے۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ اس ننھی منی چھوٹی بچی کی بات آج تک مجھ کو یاد ہے اور پوری زندگی اس کو میں بھول نہیں سکتا۔

اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مقتداء حضرات کو بہت محتاط روش اختیار کرنے کی ضرورت ہے، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرات علماء اور مقتداء حضرات اور بڑوں کو خوردوں کی بات پر بھی دھیان دینا چاہئے، اس لئے کہ کبھی خوردوں کی زبان سے بھی کارآمد باتیں نکل آتی ہیں، اس لئے خوردوں کی بات کو ہر حال میں یہ سوچ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ یہ تو خورد ہیں۔

اس خادم نے بھی اپنے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے خوردوں کی باتوں کو بہت دھیان اور توجہ سے سنتے تھے۔

حضرت تھانوی کا معمول

اپنے بزرگوں میں بالخصوص حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ کم سن

اور معصوم بچوں کو چھیڑتے رہتے تھے اور بہت سے سوالات ان سے کرتے رہتے تھے اور ان کے جوابات کو بہت دھیان اور توجہ سے سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کے جوابات سے میرے بہت سے علمی مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور بعض مرتبہ بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل ان کے جوابات سے نکل آتا ہے۔

اس لئے ہر خورد کو یہ سوچ کر کہ یہ تو خورد ہے ہر حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم کی حاضر جوابی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء اور طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حاضر جوابی بھی اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی، بعض لوگوں کی حاضر جوابی جودت ذہن پر مبنی ہوتی ہے اور بعض کی حاضر جوابی وسعت علم اور وسعت مطالعہ کے ساتھ استحضار علم پر مبنی ہوتی ہے۔

اور اس دولت میں اس وقت اضافہ ہو جاتا ہے جب تعلق مع اللہ کے ساتھ انابت الی اللہ کی دولت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا ''بواو او بواوین؟ حضرت امام اعظم نے اس کے جواب میں فرمایا ''بواوین'' اس کے جواب میں اس شخص نے کہا'' لا ولا'' یہ مکالمہ سن کر حضرت امام اعظم کے تمام تلامذہ حیران رہ گئے اور کسی کی سمجھ میں کچھ

نہیں آیا، بالآخر مجبوراً حضرت امام اعظم سے تلامذہ کو سوال کرنا پڑا کہ حضرت اس نو وارد شخص کے سوال اور آپ کے جواب کا مطلب کیا تھا؟

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ سوال کا مطلب یہ تھا کہ "**التحیات للہ و الصلوۃ و الطیبات**" میں دو واؤ ہے یا ایک واؤ، یعنی "**والصلوۃ و الطیبات**" ہے یا **والصلوۃ الطیبات** ہے، میں نے "بواوین" کے ذریعہ اس کو بتلا دیا کہ **والصلوۃ و الطیبات** ہی درست ہے اور یہی پڑھنا چاہئے، اس جواب سے وہ مطمئن ہوگیا، اس جواب کو سن کر اس نے خوش ہوکر "**لا و لا**" کہا، اس سے اس نے اشارہ کیا "**لاشرقیة ولاغربیة**" آیت کریمہ کی طرف جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے علم کی مثال نہ مشرق میں ہے، نہ مغرب میں، آپ کا علم بے مثال ہے۔

ایک بادشاہ کے وزیر کی ذہانت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ کتابوں میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ اپنے امراء و وزراء کے ساتھ کشتی کے ذریعہ سمندر کی سیر پر نکلا، دوران سفر اپنے ایک وزیر سے بادشاہ نے سوال کیا، **ای طعام اشھی عندک**؟ یعنی کھانے والی چیزوں میں کونسی چیز تمہارے نزدیک مرغوب و پسندیدہ ہے، وزیر نے فوراً جواب دیا "**البیض الملصوق**" یعنی تلا ہوا انڈا۔

ایک سال کے بعد بادشاہ کا دوبارہ پرانے رفقاء کے ساتھ سمندر کا سفر ہوا

جب بادشاہ اس جگہ پہونچا، جہاں اس نے ایک سال پہلے اپنے وزیر سے **ای طعام اشھی عندک** کا سوال کیا تھا، ایک سال بعد اسی جگہ پہونچ کر بغیر کسی تمہید کے اس وزیر سے پوچھا ''بای شئ؟'' وزیر نے فوراً جواب دیا ''**بالملح**''۔

یعنی بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تلا ہوا انڈا کس چیز کے ساتھ کھانا پسند کروگے، وزیر نے فی البدیہہ جواب دیا ''نمک کے ساتھ''۔ وزیر کے اس حاضر جوابی وحاضر دماغی پر بادشاہ حیران و دنگ رہ گیا اور بہت سارے انعامات سے اس نے اس کو سرفراز کیا، اس طرح کی حاضر دماغی وحاضر جوابی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ایک واقعہ

جس زمانہ میں یہ خادم دار العلوم دیوبند کے شعبۂ دار الافتاء سے وابستہ تھا اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی خدمت میں رہا کرتا تھا اسی زمانہ کی بات ہے کہ چند طلباء ایک صاحب کو لے کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ہندوستان کی ایک بڑی درسگاہ کے فاضل تھے، لیکن بدقسمتی سے دہریت کے شکار ہوگئے تھے جو طلباء لے کر اس کو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اس نوجوان فاضل دہریہ کا سوال حضرت مفتی صاحب سے بیان کیا، حضرت نے فرمایا کہ سائل جب خود موجود ہے تو سوال اپنی زبان سے خود کرے ترجمان کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ اس نوجوان فاضل نے جو دہریت زدہ تھا اپنا سوال حضرت مفتی

صاحب کے سامنے رکھا، سوال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو دلیل عقلی سے ثابت کردے تب میں مانوں گا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ورسول ہیں، یہ سوال سننے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے بہت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ یہ فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس کے بعد آپ نے اس کے ماں باپ کا نام پوچھا، اس کے بعد بھائی بہنوں کا نام پوچھا اس کے بعد خاندان کے دوسرے بزرگوں کا نام پوچھا، یعنی دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ اس کے بعد پوچھا کہ تمہارے والدین ابھی زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ جس کو تم اپنا باپ کہتے ہو اس کا باپ ہونا اور جس کو ماں کہتے ہو اس کا ماں ہونا دلیل عقلی سے ثابت کردو تو میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو دلیل عقلی سے ثابت کردوں گا، یہ جواب سننے کے بعد وہ شخص الٹے پاؤں واپس ہوگیا۔

حضرت مفتی صاحب حاضر جواب تھے اور اسی کے ساتھ اکثر الزامی جواب دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر لوگ خاموش اور لاجواب ہوجاتے تھے، یہ حضرت مفتی صاحب کی خصوصی ذہانت کا نتیجہ تھا جس کے سبھی حضرات معترف تھے۔

اپنے بڑوں کا علم سے لگاؤ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے علماء وطلباء سے خطاب کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

ہمارے بڑوں نے علمی کتابوں سے اپنا ایسا گہرا تعلق رکھا کہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے اکثر کتابیں اوراس کے متون مستحضر ہو جایا کرتے تھے۔

ان حضرات نے اپنے کو مکمل طور پر علم کے حوالے کر رکھا تھا، آج کل کے نوجوان فضلاء جن خرافات میں اپنے کو ہمہ وقت لگائے رکھتے ہیں ان سے ہمارے اکابرین کا دور کا بھی رشتہ نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج کل کے فضلاء ونوجوان علم سے محروم ہیں۔

اس زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں اکثر کتابیں مخطوطہ ہوا کرتیں تھیں اور اکثر انہیں کتابوں سے ہمارے بڑے استفادہ کیا کرتے تھے اور بارش کے موسم میں نمی کی وجہ سے کتابیں عموماً دیمک کی نذر ہو جایا کرتیں تھیں، اسی لئے کتابوں کے رکھ رکھاؤ کے لئے برسات کے موسم میں سکھانے کی اکثر نوبت آتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے طلباء سے فرمایا کہ برسات کا موسم ہے کتابوں کو نکال کر سکھا دو تا کہ دیمک وغیرہ نہ لگے، طلباء نے جب سکھانے کے لئے کتابیں نکالیں تو ایک کتاب ایسی نکلی جس کے کئی صفحات کو دیمک چاٹ چکا تھا، جب اس کی اطلاع طلباء نے حضرت شیخ الہند کو کی تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ اس میں سادے اوراق لگا دو اس کے بعد وہ کتاب لے کر طلباء حضرت کے پاس حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہ کونسی کتاب ہے؟ طلباء نے بتلایا کہ میبذی ہے جو فن فلسفہ کی دقیق کتاب مانی جاتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ اس کی آخری سطر پڑھو اس

کے بعد جتنے صفحات غائب تھے، حضرت شیخ الہند نے اپنی قوت حافظہ کے ذریعہ اسے مکمل کر دیا، طلباء یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے، لیکن یہ ثمرہ تھا اس لگاؤ کا جو لگاؤ اپنے بڑوں کا علمی کتابوں سے تھا۔

آج تو صورتحال یہ ہے کہ علمی و دینی کتابوں کی بات تو دور کی ہے قرآن کریم کے حفاظ طلباء جو کئی کئی سال میں قرآن کریم کا حفظ مکمل کرتے ہیں اور حفظ قرآن کی سند وہ لئے پھرتے ہیں اور ان کو اپنے حافظ ہونے پر بڑا ناز اور فخر بھی ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم سے اگر ان کو کسی مقام سے پڑھنے کو کہا جائے تو پڑھنے سے قاصر ہوتے ہیں، جبکہ ان کے پاس سرمایہ نجات صرف ایک ہی سند موجود ہوتی ہے، لیکن موبائل اور دوسری خرافات میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ ان کو سال بھر میں کبھی قرآن پاک کو پڑھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چند سالوں میں قرآن پاک کا حفظ سینے سے نکل جاتا ہے اور وہ صرف نام کے حافظ رہ جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

والدین کی خدمت کی برکت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بڑوں کی خدمت اور اطاعت بالخصوص والدین کی خدمت اور فرمانبرداری

اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، بالخصوص والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتا، اس کا صلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے، لیکن دنیا میں بھی عموماً اس کا صلہ اولاد کو ملتا ہے، جس کے ایک دو نہیں ہزاروں واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ایک صاحب کے چند بچے تھے، ایک بچہ نے اپنے تمام بھائیوں سے یہ کہا کہ ابا کی جو کچھ جائیداد ہے اس کو تم لوگ آپس میں تقسیم کرلو اور میرے حصے میں ماں باپ کی خدمت کر دو۔ چنانچہ سارے بھائی اس پر راضی ہو گئے اور اس نے دل و جان سے ماں باپ کی خدمت شروع کر دی، بغیر کسی طمع اور لالچ کے ماں باپ کا اپنے او پر حق سمجھتے ہوئے پوری زندگی ان کی خدمت میں برضاء و رغبت لگا رہا اور ان کے لئے ہر طرح کے اسباب راحت فراہم کرتا رہا، لیکن بتقدیر الٰہی ایک دن وہ آیا کہ یکے بعد دیگرے والدین دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس کے بعد اس لڑکے نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ فلاں جگہ پتھر کے نیچے سو دینار رکھے ہیں، اس کو جا کر لے لو اس نے کہنے والے سے پوچھا کہ کیا اس میں برکت ہوگی؟ اسنے کہا نہیں، اس کے جواب میں اس لڑکے نے کہا کہ مجھ کو ایسے دینار کی ضرورت نہیں جس میں برکت نہ ہو اس کے چند روز کے بعد پھر خواب دیکھا کہ فلاں پتھر کے نیچے دس دینار ہے جا کر لے لو، کہنے والے سے پھر اس نے وہی سوال کیا کہ اس میں برکت ہوگی؟ تو اس نے کہا نہیں، اس نے اس کے جواب میں کہا مجھے ایسے دینار کی ضرورت نہیں جس میں برکت نہ ہو، اس کے چند روز کے بعد پھر خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ فلاں پتھر کے نیچے ایک

دینار ہے اس کو جا کر لے لو، اس نے اس پر پھر سوال کیا کیا اس میں برکت ہوگی؟ اس نے جواب میں کہا ہاں برکت ہوگی، اس نے جا کر اس پتھر کے نیچے سے ایک دینار لیا جو وہاں موجود تھا اور اس سے اس نے مچھلی خریدی گھر لا کر بیوی کو دیا، بیوی نے جو مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس کے پیٹ سے قیمتی ہیرا نکلا جو اتنے زیادہ پیسوں میں فروخت ہوا جس کی مقدار اس حصہ سے کہیں زائد تھی جو اس کے بھائیوں نے والد کی جائداد سے لیا تھا، اس کے بعد بہت راحت و آرام کے ساتھ اس نے ان پیسوں سے اپنی پوری زندگی گزاری۔

یہ اللہ کی طرف سے اس لڑکے کو دنیاوی صلہ تھا جو ماں باپ کی خدمت کی برکت سے ملا، اس لئے ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور حسن سلوک کے ساتھ خدمت کو نعمت غیر مترقبہ تصور کرنا چاہئے اور کسی بھی حال میں ماں باپ کی خدمت سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

اور یہ ذہن میں ہمیشہ ہونا چاہئے کہ ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی اور بدزبانی اور ان کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی اور ان کی خدمت سے روگردانی و نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، ایسے لوگوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے گریز کرنا چاہئے اور ایسے لوگوں کی معافی توبہ واستغفار سے نہیں ہوتی جب تک والدین سے صدق دل سے معافی نہ مانگ لیں اور والدین معاف نہ کردیں، اس لئے معاملہ کی نزاکت کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہر نوجوان کے لئے ضروری ہے۔

اذان کے احترام کی برکت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ادب وتأدب ایک ایسی چیز ہے جس کو اسلام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسلامی تعلیمات میں ادب وتادب کا ایک خصوصی مقام ہے جس نے بھی ان مقامات پر ادب کو ملحوظ رکھا وہ اس لحاظ سے محروم نہیں ہوا، دنیا وآخرت کی نعمتوں سے وہ ضرور بہرہ ور رہا۔

چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص دن بھر اپنے پیشہ میں مصروف رہتا تھا چونکہ وہ پیشہ کے اعتبار سے حداد یعنی لوہار تھا اور اس کا ذریعہ معاش بھی یہی تھا، اس لئے دن بھر بھٹی پر بیٹھا رہتا تھا اور بھٹی میں لوہا گرم کرتا اور اس کو پیٹتا اور لوگوں کی ضرورت کی چیزیں بنا کر ان کی ضرورت پوری کرتا، لیکن اس پیشہ کے ساتھ ایک خوبی اس میں یہ تھی کہ لوہا گرم کر کے جب وہ پیٹنا شروع کرتا اور اسی درمیان اگر اذان کی آواز آجاتی تو جس حال میں اس کا ہتھوڑا ہوتا وہیں پر رک جاتا اور اس کا یہ رکنا اذان کے احترام میں ہوتا، اس کے بعد وہ نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتا اور یہ کہتا کہ اب میرے رب کا بلاوا آ گیا ہے، مجھ کو اس کے دربار میں حاضری کی تیاری کرنی ہے، اس طرح ہمیشہ کا اس کا یہی معمول تھا، نیز اذان کے احترام کے ساتھ نماز کا بھی وہ پابند تھا، اس ادب واحترام کی برکت اس کو یہ حاصل ہوئی کہ جب اس کا انتقال ہوا تو اس وقت کے ایک محدث نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت امام احمد بن حنبل کے بغل میں بیٹھا ہوا ہے، ان کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اور

بیدار ہونے کے بعد اس کی جستجو میں لگ گئے کہ کہاں حضرت امام احمد بن حنبل اور کہاں ایک دیہاتی لوہار جستجو کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس لوہار میں یہ دو خوبیاں تھیں (۱) اذان کا ادب واحترام (۲) نماز کی پابندی اور اپنی دو خوبیوں کی وجہ سے اس کو وہ مقام حاصل ہوا کہ مرنے کے بعد حضرت امام احمد بن حنبل کے بغل میں اس کو جگہ ملی، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ شعائر اسلام کا جوحق بنتا ہے اور جس انداز سے اس کا ادب واحترام ہونا چاہئے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔

باادب بانصیب، بےادب بےنصیب

سولہ دن میں سولہ قرآن کریم کا ختم

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے علماء وطلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

انسان کی فطرت میں یہ چیز داخل ہے کہ جس چیز کی حلاوت ولذت سے دل ودماغ آشنا ہوجاتا ہے وہ چیز زندگی کا ایک لازمی حصہ بن جاتا ہے، اور اس کے بغیر انسان کو سکون نہیں ملتا۔

کسی کو نماز کی حلاوت مل جاتی ہے تو وہ ہمہ وقت نماز ہی میں مشغول رہتا ہے کسی کو سجدہ کی حلاوت مل جاتی ہے تو اس کا زیادہ وقت سجدوں میں گزرنے لگتا ہے، کسی کو قرآن کریم کی تلاوت کی حلاوت مل جاتی ہے تو وہ ہمہ وقت تلاوت میں مشغول رہنے لگتا ہے۔

چنانچہ ایسے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افراد آپ کوملیں گے جن کا دل تلاوت کی حلاوت ولذت سے آشنا ہو چکا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی چوبیس گھنٹہ میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتا تھا، کوئی دو قرآن ختم کرتا، کوئی تین قرآن ختم کرتا، انہیں شخصیات میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ بھی ہیں جو حج کے مبارک ومسعود سفر پر تشریف لے گئے، آپ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہونچنے میں سولہ دن کا وقت لگا، چنانچہ دوران سفر مدینہ سولہ دن میں سولہ قرآن کریم آپ نے ختم فرمایا، یہ وہ ہمارے بڑے تھے جو وقت کی قدر کو سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ دنیا کی زندگی بہت لمبی نہیں ہے، لہٰذا آخرت کے لئے جتنا ہوسکے کرلیا جائے۔

آج کل کے نوجوانوں کو زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرتے ہوئے آنکھ دیکھتی ہے اور موبائل جیسے خرافات میں زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرتے ہوئے وہ نظر آتے ہیں تو دکھ کے ساتھ ان کی اس حالت پر رنج ہوتا ہے کہ کاش ان کو آخرت کی فکر نصیب ہوجاتی، اعمال کا شوق ان کو حاصل ہوجاتا، نماز وتلاوت کی حلاوت ان کو مل جاتی تو اس طرح قیمتی وقت وہ ضائع نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نوجوانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور وقت کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

لمبا سجدہ کرنے کا راز

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

اپنے بعض بزرگوں کا معمول تھا کہ وہ بہت لمبا سجدہ کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خدام میں سے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے والد بزرگوار تھے، وہ نماز کا سجدہ بہت لمبا کیا کرتے تھے، ایک صاحب نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حدیث پاک میں موجود ہے "**الساجد یسجد علی قدمی الرحمن**"۔ (اس حدیث کو حضرت سعید بن منصور نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اسکو نقل کیا ہے)۔ یعنی سجدہ کرنے والا جب سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس کا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے، اسی لئے میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے قدموں میں، میں پڑا رہوں اور سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔

اس تصور خاص کی وجہ سے حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی کو سجدہ میں وہ لطف آتا تھا کہ ان کا دل سر اٹھانے کو نہیں کرتا تھا اور اس میں ایک خاص قسم کی حلاوت ان کو محسوس ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ کا معمول لمبے سجدے کا بن گیا تھا ۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرت شیخ الہند کی تراویح

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

ہمارے اکابرین میں حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ جو حضرت شیخ الہند کے لقب سے مشہور ہیں، رمضان المبارک میں ان کا معمول تھا کہ پوری رات تراویح میں گزارتے تھے اور ان کی تراویح سحری کے وقت ختم ہوا کرتی تھی، تراویح ختم ہونے کے بعد فوراً سحری نوش فرماتے اور اس کے بعد فجر کی نماز ادا کرتے۔

ظاہر سی بات ہے کہ یہ وہی کرسکتا ہے جس میں حلاوت کامل شوق عبادت کے ساتھ فکر آخرت مکمل طور پر موجزن ہو اور طاعت وعبادت کی حلاوت کامل طور پر وہ پاچکا ہو۔

جب اہل خانہ میں سے بعض نے حضرت شیخ الہند سے رات میں کچھ استراحت کی درخواست کی تو آپ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ پتہ نہیں آئندہ سال کا رمضان ملے گا یا نہیں، اس لئے جو ملا ہوا ہے اس کی قدر کر لینی چاہئے اور جتنا ہو سکے اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

یہ تھے ہمارے اکابرین اور یہ تھا ان کی عبادت کا حال، آج ہمارے نوجوان فضلاء اسٹیج پر جلسوں میں بہت شوق اور فخر کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، لیکن ان کی عبادات اور طاعات اور انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ اور خوف وخشیت کو فراموش کر جاتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

رمضان المبارک میں حضرت رائے پوری کا معمول

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

اپنے اکابرین میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا معمول یہ تھا کہ ۲۹؍شعبان کو اپنا بستر لے کر مسجد میں تشریف لے آتے اور ہر قسم کی ملاقات اور مکاتبت ومراسلت کوموقوف کر دیتے، خادم سے یہ فرماتے کہ جتنے خطوط آئیں بورے میں رکھتے جائیں انشاءاللہ ان کے جوابات عید کے بعد پڑھ کر دیئے جائیں گے اور عمومی اعلان فرمادیتے کہ یہ مبارک مہینہ میرا ہے، لہٰذا کوئی شخص ملاقات کے لئے ہرگز نہ آئے۔ اس طرح مکمل یکسوئی کے ساتھ پورا رمضان طاعت وعبادت میں گزارتے اور دیگر تمام مشاغل کو ایک مہینہ کے لئے موقوف کر دیتے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم کا سفر حج

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت ابراہیم بن ادہم عابد و زاہد اور اونچے بزرگوں میں سے ہیں، آپ کی عبادت وزہد کا یہ حال تھا کہ چار چار پانچ پانچ دن کا روزہ رکھتے تھے اور گھاس سے افطاری کرتے تھے، پوری پوری رات عبادت میں گزار دیتے تھے، زہد کا یہ عالم تھا کہ پیوند لگے ہوئے کپڑے اکثر پہنا کرتے تھے، حالانکہ کسی زمانہ میں آپ اپنے وقت کے بادشاہ تھے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم سے ایک صاحب نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت مجھ

سے تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھا جاتا تو آپ نے فرمایا کہ دن میں اللہ کی نافرمانی نہ کیا کرو، اس لئے کہ رات کے وقت تہجد میں کھڑا ہونا بہت شرف کی بات ہے اور نافرمان اس شرف کا اہل نہیں ہوتا، اسی لئے حضرات صوفیاء فرمایا کرتے ہیں کہ گناہوں کیوجہ سے آدمی تہجد سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم ایک مرتبہ اپنے وطن سے حج کے لئے نکلے اور ڈھائی سال میں مکہ مکرمہ پہونچے چونکہ اس مبارک سفر میں آپ کا معمول یہ تھا کہ ایک قدم چلنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے اس طرح ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے بیت اللہ شریف پہونچے اور وہاں پہونچ کر یہ عرض کیا کہ اے اللہ لوگ تیری بارگاہ میں قدموں کے بل چل کر آتے ہیں اور میں پلکوں کے بل چل کر آیا ہوں، میری حاضری کو قبول فرما ۔

مضت الدهور و ما اتين بمثله

و لقد اتى فعجزن عن نظرائه

طواف بیت کا نہیں رب البیت کا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی حج کے لئے تشریف لے گئے دوران طواف دیکھا کہ ایک بچی عاشقانہ اشعار طواف کے دوران پڑھ رہی ہے، حضرت جنید بغدادی کو وہ اشعار سن کر حیرانی ہوئی۔ آپ نے بچی کو افہام و تفہیم کے ذریعہ ان اشعار کے پڑھنے سے روکنا چاہا، بچی نے حضرت جنید

بغدادی سے پوچھا آپ بیت کا طواف کر رہے ہیں یا رب البیت کا؟ میں نے کہا میں تو بیت کا طواف کر رہا ہوں، بچی نے کہا ہاں جن کے دل پتھر کے ہوتے ہیں وہ تو پتھر کے گھر ہی کا طواف کیا کرتے ہیں۔اس کے بعد اس بچی نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی قاصد بھیج کر اپنے گھر بلائے اور پھر وہ اس سے ملاقات نہ کرے۔

یہ جواب سن کر حضرت جنید بغدادی حیران ہو گئے اور خاموشی کے ساتھ طواف میں لگ گئے۔

روزانہ ستر طواف

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ایک بزرگ تھے جو روزانہ ستر طواف کیا کرتے تھے اور یہ ایک دن کا نہیں بلکہ روزانہ کا معمول تھا۔

اس دنیا میں ایسے بھی اللہ والے گذرے ہیں کہ ان کی عبادت کے شوق کو دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے، لیکن یہ باتیں مبنی برحقیقت ہیں کوئی افسانہ نہیں۔

ایک ماہ میں ترسٹھ قرآن پاک کا ختم

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ہمارے اسلاف و بزرگوں کا عبادت، تلاوت اور نمازوں سے جو خصوصی لگاؤ تھا

اس زمانہ میں وہ چیزیں تقریباً عنقاء ہوتی جارہی ہیں، اب تو ان اعمال سے ہٹ کر خرافات بالخصوص موبائل کا شوق علماء، فضلاء، حفاظ میں بھی ایسا دلگیر ہوتا جارہا ہے کہ لگتا ہے سرمایۂ نجات وہی ہے، آج تو اعمال کے ساتھ صلاحیتوں کا بھی کباڑہ ہوتا جارہا ہے اور ان خرافات میں لگنے کی نحوست یہ ہے کہ عبادت وتلاوت سے دل اچاٹ ہوتا جارہا ہے۔

حالانکہ ہمارے اسلاف میں غالب اکثریت ان حضرات کی گذری ہے جنہوں نے علمی اشتغال کے باوجود عبادت وتلاوت سے اپنا گہرا لگاؤ رکھا۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اپنے علمی اشتغال کے باوجود رمضان المبارک میں ترسٹھ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، ایک ختم دن میں اور ایک ختم روزانہ رات میں اور تین ختم تراویح میں، یعنی ایک عشرہ میں ایک قرآن کریم تراویح کی نماز میں مکمل کیا کرتے تھے۔

کاش کہ آج کے نوجوانوں کو اپنے ان اسلاف کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق مل جاتی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت ہو جاتی۔

لیکن اس وقت افسوس ہوتا ہے جب آج کل کے نوجوانوں کو زندگی کے قیمتی لمحات مختلف انواع کی خرافات میں گذارتے ہوئے آنکھ دیکھتی ہے، بس اللہ ہی ان کا محافظ وحامی ہے۔

بدنگاہی کا اثر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بدنگاہی ایک ایسی بری بیماری ہے جس میں عام طور پر لوگ بالقصد و بلاقصد مبتلا ہوجاتے ہیں اور جس کا اثر جب ان کی زندگی پر پڑتا ہے تو پریشان ہوتے ہیں، اس لئے بدنگاہی سے خاص طور پر علماء وطلباء کو بچنے کی ضرورت ہے، بہت سے باصلاحیت و باہمت افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بدنگاہی سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کی ساری محنت ضائع ہوکر رہ گئی۔

اسلاف کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا ایک مرید تھا جو حافظ قرآن بھی تھا اور ماشاء اللہ قرآن اس کو بہت اچھا یاد تھا، ایک مرتبہ اس کی نظر ایک غیر مسلم لڑکے پر پڑگئی اور وہ اس کے حسن و جمال سے اتنا متاثر ہوا کہ حضرت جنید بغدادی سے سوال کر بیٹھا کہ حضرت کیا یہ لڑکا بھی جہنم میں جائے گا؟ حضرت جنید بغدادی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لگتا ہے تیری غلط نگاہ اس لڑکے پر پڑگئی ہے؟ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لڑکا جو اچھا حافظ قرآن تھا پورا قرآن بھول گیا اور یہ اس کی بدنگاہی کا اثر تھا جس کی سزا اس کو ملی۔

اس لئے خاص طور سے علماء وفضلاء کو بدنگاہی سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ اس کے صادر ہونے کی وجہ سے پوری زندگی کی گٹھری ضائع ہوجاتی ہے، اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے اور ہر ایک کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

حضرت ذوالنون مصری کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت ذوالنون مصری پہلے طبقہ کے حضرات صوفیاء میں سے ہیں آپ کا نام ثوبان اور آپ کی کنیت ابوالفیض ہے، آپ ذوالنون کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ مصر کے نواحی میں رہا کرتے تھے، حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے آپ شاگردوں میں سے تھے، آپ کے شیخ ایک مغربی شخص تھے جن کا نام اسرافیل تھا، آپ کا شمار اونچے طبقہ کے بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ صاحب کشف وکرامت اولیاء میں سے تھے۔

آپ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کشتی سے سفر کر رہے تھے، اسی دریا میں آپ کی کشتی کے بغل میں ایک دوسری کشتی تھی جس میں نوجوان مرد وعورت کے ساتھ نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جو مختلف انواع کے لہو ولعب کے ساتھ سفر کر رہے تھے، حضرت ذوالنون مصری کی کشتی میں جو لوگ سوار تھے جب ان کی نظر ان نوجوانوں کی اس گندی حرکت پر پڑی تو اس کو دیکھ کر ان کو بہت غصہ آیا اور ان لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری سے کہا کہ حضرت یہ کتنے گندے لوگ ہیں کہ کشتی میں بیٹھ کر پانی کے اندر بھی چلتے ہوئے یہ غلیظ حرکتوں میں مبتلا ہیں، لہٰذا آپ ان کے لئے بددعاء کردیں کہ ان کی کشتی ڈوب جائے اور یہ سب تباہ ہوجائیں۔

حضرت ذوالنون مصری کچھ دیر تک تو خاموش رہے، لیکن جب کشتی کے رفقاء بہت زیادہ اصرار کرنے لگے تو حضرت ذوالنون مصری نے ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا

مانگی کہ اے اللہ اس کشتی والوں کو آپ نے جس طرح دنیا کی خوشی عطا کی ہے آخرت کی بھی خوشی عطا فرما، اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کشتی کے سارے سوار اپنی غلطی پر نادم ہو کر تائب ہو گئے اور ان کی غلط حرکت ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

حضرت ذوالنون مصری سمجھتے تھے کہ ان کی دعا رائگاں نہیں جائے گی، اگر آپ ان کے لئے بددعاء فرما دیتے تو یقیناً وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو جاتے لیکن اللہ والوں کا دل عام انسانوں کے دلوں کی طرح نہیں ہوتا اور وہ فوراً کسی کی ہلاکت و بربادی کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن جب اللہ والے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں تو چاہے کوئی فرد ہو یا جماعت تباہی و بربادی ان کی قسمت بن جاتی ہے، اس لئے اللہ والوں کی بددعاء سے بچنے کی ضرورت ہے۔

والدین کی بددعاء رائیگاں نہیں جاتی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس طرح اللہ والوں کی دعا ہو یا بددعاء رائیگاں نہیں جاتی، اسی طرح ماں باپ کی دعا اور بددعاء اولاد کے حق میں رائیگاں نہیں جاتی۔

چنانچہ اسلاف کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک چھوٹا بچہ بچپن میں بہت زیادہ رو رہا تھا، اس کو چپ کرانے کی ماں نے بہت کوشش کی، لیکن جب وہ چپ

نہیں ہوا تو ماں نے غصہ میں یہ کہہ دیا اللہ کرے یہ مر جائے، چنانچہ ماں کی یہ بد دعاء فوراً قبول ہوگئی، بچہ جب بڑا ہوا تو عین جوانی کی حالت میں اللہ نے اس بچہ کو بلا لیا اس کے مرنے پر والدہ کو بہت صدمہ ہوا اور بہت روئی تب اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ اللہ کرے یہ مر جائے، میں نے تمہاری بد دعاء قبول کی اور اس کو اٹھا لیا اب کیوں رو رہی ہو؟

اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کی آہ، دعا و بد دعاء اولاد کے حق میں رائیگاں نہیں جاتی، اس لئے والدین کو بھی بہت سوچ سمجھ کر اولاد کے حق میں اپنی زبان کھولنی چاہئے۔

لیکن والدین سے زیادہ اولاد کو والدین کے حق میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ والدین کی ہر طرح کی دل آزاری سے اولاد کو بچنا چاہئے جب ماں باپ کا دل اولاد دکھائیں گے تو والدین کی آہ غیر ارادی طور پر نکلے گی اور وہ رائیگاں نہیں جائے گی، اس لئے آج کل کے نوجوانوں کو خاص طور پر بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ جوانی کے جوش میں ہوش کھو دیتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت برباد کر لیتے ہیں۔

عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے بہتر ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "**نوم العالم خیر من عبادة الجاهل**" بہت مشہور ہے اور حضرات علماء بھی اکثر اس حدیث کو استعمال کرتے ہیں۔

لیکن حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ایک خاص پس منظر ہے جو کتابوں میں مذکور ہے، وہ یہ کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے پر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر شیطان کھڑا ہوا ہے، حضرت نبی پاک ؐ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی، آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابلیس تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ ابلیس نے جواب میں کہا کہ اس مسجد میں ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے میں اس کی نماز خراب کرنے کے چکر میں یہاں کھڑا ہوں، لیکن اندر جا کر اپنی محنت کو رائیگاں سمجھ رہا ہوں کیونکہ اس کے بغل میں ایک عالم سو رہا ہے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلیس کا یہ جواب سن کر فرمایا اے ابلیس تجھ کو اس نمازی سے ڈر نہیں ہے جو عبادت میں مصروف ہے اور اپنے رب کی مناجات میں لگا ہوا ہے اور اس عالم سے ڈر ہے جو سو رہا ہے اور غفلت کی حالت میں ہے۔

ابلیس نے اس کے جواب میں کہا کہ نمازی تو جاہل ہے اس کی نماز تو خراب کرنا بہت آسان ہے لیکن اس کے بغل میں جو سو رہا ہے وہ عالم ہے میں محنت کر کے ایک جاہل نمازی کی نماز کو خراب کروں گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بغل میں سوئے ہوئے عالم کو یہ بیدار کرے گا اور اس سے مسئلہ معلوم کر کے فوراً اپنی نماز کو درست کر لے گا، اس طرح میری محنت ضائع اور اکارت ہو جائے گی جب جب میں اس کی نماز کو خراب

کروں گا وہ عالم اس کی نماز کو فوراً درست کر دے گا۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابلیس کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا "**نوم العالم خير من عبادة الجاهل**" اس خاص پس منظر میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا لیکن عام طور پر نوجوان فضلاء عمومی انداز میں بغیر پس منظر کی رعایت کیے ہوئے اس حدیث پاک کو برملا نقل کرتے ہیں۔

جس طرح قرآن کریم کی آیات کا ایک شان نزول ہوتا ہے اسی طرح حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا شان ورود ہے، اگرچہ ضابطہ یہی ہے "**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد**" لیکن شان نزول وشان ورود سے واقفیت بھی ایک اہم چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

قوت حافظہ کا ایک مجرب نسخہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

آج عموماً طلباء کو سوء حفظ کی شکایت رہتی ہے عموماً یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ مطالعہ کرتا ہوں سبق یاد کرتا ہوں لیکن یاد نہیں ہوتا، یاد ہو بھی جاتا ہے تو محفوظ نہیں رہ پاتا، ذہن سے نکل جاتا ہے، لیکن یہ شکایت کوئی نئی نہیں ہے، قدیم زمانہ میں بھی اس انداز کی شکایت خوردوں نے اپنے بزرگوں سے کی ہے اور اس کا علاج ان سے معلوم

کر کے اس پر عمل کیا ہے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ محترم حضرت وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی اور اس کا علاج ان سے طلب کیا تو حضرت وکیع نے بہت اہتمام اور تاکید کے ساتھ گناہوں کو چھوڑنے اور اس سے دوری بنانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ علم اللہ کا عطا کردہ ایک نور ہوتا ہے جو نافرمانوں کو نہیں دیا جاتا اس لئے نافرمانی سے گریز و پرہیز ہمیشہ کرتے رہو۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الهی

و نوراللہ لا یعطی لعاصی

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سوء حفظ کے خاتمہ اور حافظہ کو بڑھانے اور جو پڑھا جائے اسکے یاد رہنے کا ایک خصوصی نسخہ بتلایا ہے، ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے ان شاء اللہ وہ سوء حفظ کا شکار نہیں ہوگا۔

(۱) تہجد کی نماز کا اہتمام دو ہی رکعت کیوں نہ ہو۔

(۲) وضو کا اہتمام جب وضو ٹوٹے فوراً وضو کرے۔

(۳) تقوی کا التزام خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں، ہر حال میں اس کا استحضار رہنا چاہئے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔

(۴) کم کھانے کا اہتمام اور جو کچھ کھائے قوت کی نیت سے کھائے تکمیل

خواہش کی نیت نہ ہو۔

(۵) مسواک کا اہتمام

یہ وہ پانچ صفات ہیں جن کا اگر ہر طالب علم اہتمام کرلے تو وہ کبھی بھی سوء حافظہ میں مبتلانہیں ہوگا اور جو کچھ پڑھے گا ان شاء اللہ دل و دماغ میں پیوست ہوتا چلا جائے گا۔

علم وعلماء سے دوری کی نحوست

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء کوخطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

علم وعلماء کا ایک خاص مقام ہے جس کوعلماء کوبھی سمجھنا چاہئے اور اپنے مقام کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ایک موقع پر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ کومخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابو ذر جس دن تم اللہ کی کتاب کے علوم میں سے کوئی ایک علم حاصل کرلو اس دن سو رکعت نوافل سے یہ افضل ہے۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت جبرئیل سے اہل علم کی حیثیت کے بارے میں سوال کیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آپ کی امت کے علماء آپ کی امت کے چراغ ہیں، دنیا میں بھی اور

آخرت میں بھی، قابل مبارک باد ہیں، وہ لوگ جنھوں نے ان علماء کے مقام کو پہنچانا اور ان کا حق ادا کیا اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ان سے نفرت کی اور بغض رکھا۔

اس لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ لوگ علماء وفقہاء سے دوری بنا کر رکھیں گے اور ان سے نفرت کریں گے اس کے نتیجہ میں تین قسم کا عذاب ان پر آئے گا (۱) ان کی کمائی سے برکت اٹھ جائے گی (۲) اللہ ان لوگوں پر ظالم بادشاہ مسلط کر دے گا (۳) جب دنیا سے جانے کا وقت آئے گا تو کلمہ نصیب نہیں ہوگا اور یہ نحوست ہوگی علماء وفقہاء سے دوری بنانے اور نفرت کرنے کی اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔ آمین

علم وعلماء سے بغض باعث ہلاکت ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

علم کی اہمیت کو عوام کے ساتھ علماء وطلباء کو بھی سمجھنا چاہئے اور اس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہئے اور یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور عمل بندوں کی صفت ہے اور اللہ کی صفت بندوں کی صفت سے افضل ہے، نیز علم انبیاء کا مقام ہے، نیز علم کی تحصیل بغیر عمل کے ممکن ہے، لیکن عمل بغیر علم کے ممکن نہیں، نیز علم بغیر عمل کے نافع ہے اور عمل بغیر علم کے نافع نہیں، اسی لئے حضرت نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ یا تو

علم سکھانے والے بنو یا علم سیکھنے والے بنو، یا ان دونوں کے علوم سے نفع اٹھانے والے بنو، چوتھی قسم میں داخل نہ ہونا اور چوتھی قسم یہ ہے کہ تم علم وعلماء سے بغض رکھنے والے بنو اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک تباہ وبرباد ہو جاؤ گے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ تھوڑا عمل بھی علم کے ساتھ نافع ہے اور بہت عمل جہالت کے ساتھ نافع نہیں ہے۔

اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "**انا علیم احب علیما**" میں خود علم والا ہوں اور اہل علم کو پسند کرتا ہوں۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ علماء علم جس روشنائی سے لکھتے ہیں اس کا وزن قیامت کے دن شہداء کے خون سے زیادہ ہوگا۔

اسی لئے کہا گیا ہے "**النظر الی وجه العالم عبادة**" عالم کی زیارت بھی عبادت ہے۔

اس لئے جہاں عوام امت کو ان امور کا دھیان وخیال رکھنا چاہئے وہیں علماء وطلباء کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حیثیت عرفیہ کا لحاظ وخیال رکھیں۔

دنیا کا نظام چار چیزوں سے قائم ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا:

دنیا کا نظام ٹھیک ٹھاک جو چل رہا ہے حکمراں یہ سمجھتے ہیں ہماری حکمرانی کا

اس میں دخل ہے اگر ہماری حکومتیں نہ ہوں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے، تجار یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری وجہ سے دنیا کا نظام ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، اگر ہم کاروباری کاروبار چھوڑ دیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے، کسان یہ سمجھتے ہیں ہماری وجہ سے دنیا کا نظام ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، اگر ہم کھیتی چھوڑ دیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے، لیکن ان سب سے ہٹ کر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری بات ارشاد فرمائی ہے جو ہر ایک کے لئے محل غور ہے کاش آقا کی بتلائی ہوئی بات ہر ایک کی سمجھ میں آجائے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا نظام جو ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اس میں چار طبقے کے انسانوں کے چار صفات کا دخل ہے۔

(۱) علماء کا علم

(۲) امراء کا عدل

(۳) اغنیاء کی سخاوت

(۴) فقراء کی دعاء

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر علماء کا علم نہ ہو تو جہلاء ہلاک ہوجائیں، اگر اغنیاء کی سخاوت نہ ہو تو فقراء ہلاک ہوجائیں، اگر فقراء کی دعا نہ ہو تو اغنیاء ہلاک ہوجائیں، اگر امراء کا عدل نہ ہو تو بعض لوگ بعض کو اس طرح کھا جائیں جس طرح بھیڑیا بکری کو کھا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہلاء کی حیات علماء کے علم سے وابستہ ہے اور فقراء کی

زندگی اغنیاء کی سخاوت سے مربوط ہے اور اغنیاء کی ثروت فقراء کی دعاؤں سے محفوظ ہے اور عام انسانوں کی زندگی امراء کے عدل سے وابستہ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا دنیا کا نظام چلنے اور چلانے میں قدرت اور حکمت خداوندی کے ساتھ اسباب کے درجہ میں ان چار طبقات کے چار صفات کا بھی دخل ہے جن میں علماء کا علم بھی داخل ہے۔

لہٰذا عوام امت کو اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ بقاء نظام دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو مؤثر بنایا ہے ان میں علماء کا علم بھی ہے، لہٰذا علماء کی قدر دانی کے ساتھ ان کی عزت وتقدس کا عوام امت کو لحاظ وخیال رکھنا چاہیئے۔

علماء کا مقام آخرت میں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں علماء وطلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرات علماء کا دنیا وآخرت دونوں جگہ بڑا اونچا مقام ہے، لہٰذا حضرات علماء کو خصوصیت کے ساتھ اپنا مقام سمجھنا چاہیئے اور اس کی عظمت و تقدس کا ہمیشہ لحاظ وخیال رکھنا چاہیئے۔

حضرت نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک عالم کا اکرام ستر نبیوں کے اکرام کے برابر ہے اور ایک طالب علم کا اکرام ستر شہیدوں کے اکرام کے برابر ہے اور جو شخص

کسی عالم سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے اس محبت کے صلہ میں اس کی زندگی بھر کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ حضرت نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو عام لوگوں سے الگ کر کے فرمائیں گے کہ اے علماء کی جماعت میں نے تمہیں دنیا میں علم سے اس لئے سرفراز نہیں کیا تھا کہ یہاں آنے کے بعد تمہیں عذاب دوں، لہٰذا جاؤ میں نے تم سب کی مغفرت کردی۔

یہ حضرات علماء کا وہ مقام ہے جو آخرت میں ان کو حاصل ہوگا، لہٰذا اپنے مقام کو ملحوظ رکھ کر دنیا کی زندگی گزارنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے اور اس بشارت عظمیٰ کا مستحق ہم سب کو بنائے۔آمین۔

طلباء علم دین پر خرچ کرنے کی فضیلت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

عزیز طلباء کا بھی اونچا مقام ہے، یہ اللہ کے رسول کے مہمان ہوتے ہیں، ان کے لئے مچھلیاں سمندر میں اور چیونٹیاں اپنے بلوں میں دعائے رحمت و مغفرت کرتی ہیں اور طلب علم کے لئے جتنے قدم یہ چلتے ہیں ہر قدم کے بدلے یہ جنت کے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں ان کے تحصیل علم کو آسان کرنے کے لئے اس کے وسائل

وذرائع پر خرچ کرنے والے جو کچھ خرچ کرتے ہیں دیگر سارے مصارف سے سب سے زیادہ اجر طلباء کے اوپر خرچ کرنے پر ان کو ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صدقہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایک قسم وہ ہے کہ ایک کے بدلے دس گنا اجر ملتا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ ایک کے بدلے ستر گنا اجر ملتا ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ ہے کہ ایک کے بدلے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ ایک کے بدلے سات ہزار گنا ثواب ملتا ہے۔

آگے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں قسموں کی تفصیل بتلائی کہ پہلی قسم جہاں ایک کے بدلے دس گنا ثواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ عام فقراء محتاجین اور ضرورت مندوں پر خرچ کیا جائے اور دوسری قسم جہاں ایک کے بدلے ستر گنا ثواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ عام رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے اور تیسری قسم جہاں ایک کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ بہت زیادہ قریبی رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے اور چوتھی قسم جہاں ایک کا سات ہزار گنا ثواب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ طلباء علم دین پر خرچ کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اجر حدیث وقرآن اور دین کا علم حاصل کرنے والے طلباء کا ہے۔

لہٰذا عوام امت کو اپنے عطیات وصدقات میں اس لطیف و دقیق امر کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہئے اور دوسرے مصارف کے ساتھ طلباء علوم نبوت کو ترجیحی طور پر

اپنے صدقات وعطیات کا مصرف سمجھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

علماء حسد کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے علماء وطلباء کو ایک مجلس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرات علماء وطلباء کا بڑا اونچا مقام ہے جس کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے لیکن اسی کے ساتھ علماء میں کچھ ایسی کمزوریاں بھی ہیں جس کی نشاندہی خود حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے جس پر حضرات علماء کو خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ طبقات کے لوگ ایسے ہیں جو چھ باتوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

(۱) امراء وحکام، ظلم کی وجہ سے۔

(۲) صحراءنشیں وگنوار تعصب کی وجہ سے۔

(۳) خانہ بدوش جہالت کی وجہ سے۔

(۴) کسان ودیہاتی لوگ کبر کی وجہ سے۔

(۵) تجار وبزنس مین خیانت کی وجہ سے۔

(۶) علماء حسد کی وجہ سے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ظلم، تعصب، جہالت، کبر، خیانت، حسد، یہ صفات مذمومہ میں سے ہیں جس کو اسلامی شریعت، دین، مذہب پسند نہیں کرتا، اس لئے ان صفات کے ازالہ کی محنت اذکار واشغال کے ذریعہ خانقاہوں میں کی جاتی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ظلم وزیادتی سب سے زیادہ امراء وحکام میں پائی جاتی ہے اور تعصب سب سے زیادہ صحراء نشیں وگنواروں میں ہوتا ہے اور جہالت سب سے زیادہ خانہ بدوشوں میں ہوتی ہے اور کبر سب سے زیادہ کسانوں اور دیہاتیوں میں پایا جاتا ہے اور خیانت سب سے زیادہ تاجروں میں ہوتی ہے اور حسد کے شکار سب سے زیادہ علماء ہوتے ہیں۔

جہاں امراء وحکام کے جور وظلم کی کہانیوں سے تاریخ کے صفحات لبریز ملیں گے وہیں صحراء نشیں وگنواروں کے تعصب کے واقعات سے بھی کتابیں بھری پڑی ہیں۔اسی طرح خانہ بدوشوں کی جہالت اور دیہاتیوں وکسانوں کا کبر اور تاجروں کی خیانت کے واقعات بکثرت آپ کو ملیں گے۔

اسی طرح حسد سے لبریز علماء کے واقعات سے بھی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں اور مدارس میں زندگی گزارنے والے علماء اس بیماری سے اچھی طرح واقف ہیں، حسد میں مبتلا ہو کر کبیر کو صغیر اور صغیر کو کبیر بنانے کا کھیل آئے دن دنیا دیکھتی رہتی ہے، اس لئے حضرات علماء کو خانقاہوں میں پہنچ کر دیگر امراض قلبیہ و روحانیہ کے ساتھ خصوصاً حسد کی بیماری کے ازالہ کی تدبیر مشائخ سے دریافت کر کے کرنی چاہئے

تاکہ اس مہلک بیماری کی بیخ کنی کی جاسکے۔
اللہ تعالیٰ اس مہلک بیماری سے طبقہ علماء کی حفاظت فرمائے اور مدارس کو اس بیماری کی وجہ سے جہنم کدہ بننے سے محفوظ رکھے۔ آمین

مظلوم کی آہ سے بچو

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:
ظلم بہت خطرناک چیز ہے، اس سے ہر حال میں ہر ایک کو بچنا چاہئے، اس لئے کہ جس پر ظلم ہوتا ہے جس کو مظلوم کہتے ہیں اس کی آہ بہت خطرناک ہوتی ہے وہ سیدھے عرش پر پہنچتی ہے اور فوراً صاحب عرش کی طرف سے اس کی مدد آتی ہے اور اس کے ایک، دونہیں ہزاروں واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔
چنانچہ اسی سے متعلق ایک واقعہ اسلاف کی کتابوں میں موجود ہے کہ ایک شکاری نے ایک مچھلی پکڑی اس کی مچھلی کو ایک صاحب اقتدار شخص نے زبردستی اس سے چھین لیا جس کا بے پناہ قلق شکاری کو ہوا اب اسی رنج وغم اور صدمہ کی حالت میں اس نے پروردگار عالم کی طرف ہاتھ پھیلا دیا اور اس نے درخواست ڈالتے ہوئے یہ کہا اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو کمزور بنایا ہے اور اس کو طاقتور اسی طاقت کی گھمنڈ میں اسنے ظلماً میری مچھلی مجھ سے چھین لی ہے، اے میرے رب اپنی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو اس پر مسلط کردے اور انسانوں کے لئے اس کو نشان عبرت

بنادے۔ چنانچہ اس کی دعا اور آہ فوراً بارگاہ رب العزت میں مسموع ہوئی۔

ادھر صاحب اقتدار طاقتور شخص اس غریب وکمزور و ناتواں کی مچھلی چھین کر اپنے گھر پہنچا اور مچھلی کو بھنوایا جب مچھلی بھن کر تیار ہوگئی اور کھانے کے لئے دسترخوان پر رکھ دی گئی اور حاکم وقت کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گیا جوں ہی اس نے مچھلی کی طرف کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا بھنی ہوئی مچھلی نے اس کو ڈس لیا جس کے نتیجہ میں اس کے ہاتھ میں زخم ہوگیا اور اس زخم میں کچھ دنوں کے اندر کیڑے پڑ گئے کافی علاج و معالجہ کے بعد بھی وہ زخم ٹھیک نہیں ہوا، مجبوراً اطباء کے مشورے سے اس کو ہاتھ کاٹنا پڑا، اس کے بعد بھی زخم ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے ہاتھ کی کلائی کی طرف وہ زخم بڑھنے لگا، اس صورت حال سے وہ بہت پریشان ہوا اور اس کا کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آیا تا آنکہ اسی دوران رات میں ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اس سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم اس لاعلاج بیماری سے بچنا چاہتے ہو تو اس غریب صاحب حق کا حق واپس کردو، یعنی جس کی مچھلی زبردستی چھین کر لائے تھے اس کو دے دو جب صبح کو یہ شخص بیدار ہوا تو وہ فوراً اس شکاری کے پاس پہنچا اور دس ہزار دراہم اس کو دیئے اور اس سے معافی تلافی کی تو غریب شکاری کے معاف کردینے کے بعد زخم کے کیڑے زخم سے خود بخود گرنے لگے اور اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بھی غریب، مسکین اور کمزور کو کمزور سمجھ کر اس کے ساتھ ظلم وزیادتی نہیں کرنا چاہئے اور کسی صاحب حق کا حق بزور طاقت ہڑپ نہیں کرنا چاہئے، ورنہ اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے، اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے

اورمظلوم کی آہ سے ہرایک کو بچائے۔آمین

مظلوم کی مدد نہ کرنے پرعذاب

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اگرکسی پرظلم ہورہا ہواور دیکھنے والے کو یہ یقین ہوجائے کہ یہ ظلم ہورہا ہے تو مظلوم کی ہر حال میں حتی الامکان مدد کرنی چاہیے، صرف تماشائی بن کرنہیں رہنا چاہیے بلکہ مظلوم کی حمایت وتائید کے ساتھ مظلوم کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے اور اللہ نے جتنی طاقت وقوت دی ہواس کو استعمال کرنی چاہیے ورنہ بصورت دیگر اللہ کے عذاب اورگرفت سے کوئی بچانہیں سکتا۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب انسان کی موت ہوجاتی ہےاوراس کوقبر میں رکھ دیا جاتا ہےتو بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے سر کے پاس فرشتہ آ کر بیٹھ جاتا ہےاوراس کے سر پر ایسا ہتھوڑا مارتا ہے کہ اس کے سارے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں اوراس کے ساتھ اس کی قبر میں آگ کی لپٹیں اس کو اپنے احاطہ میں لے لیتی ہیں، اس کے بعد فرشتہ اس سے کہتا ہے،قم باذن اللہ‘‘ یہ کہنے کے بعد سارے اعضاء جڑ کر انسانی ڈھانچہ تیار ہوجاتا ہے اور اس کے بعد وہ شخص اتنی زبردست چیخ مارتا ہے کہ انسانوں اور جناتوں کے علاوہ آسمانوں اورزمینوں کی ساری مخلوق اس چیخ کوسنتی ہے۔

اس کے بعد وہ شخص فرشتہ سے کہتا ہے کہ میرے ساتھ تم نے ایسا کیوں کیا اور مجھ کو عذاب کیوں دے رہے ہو، میری کیا غلطی ہے؟ حالانکہ میں تو دنیا میں پابندی سے نمازیں ادا کر رہا تھا، زکوٰۃ بھی دیتا تھا، رمضان کے روزے بھی رکھتا تھا، یعنی فرائض اسلام کا پابند تھا۔

عذاب دینے والا فرشتہ اس میت سے کہے گا کہ میں تم کو عذاب اس وجہ سے دے رہا ہوں کہ تم ایک دن ایک مظلوم کے پاس سے گزرے، اس پر ظلم ہو رہا تھا، اس مظلوم نے تم سے اپنی مدد کی گہار لگائی تم اس کی مدد کرنے پر قادر بھی تھے، لیکن تم نے اس مظلوم کی کوئی مدد نہیں کی، اس کے بدلے میں آج تم یہاں عذاب میں مبتلا ہو، دوسری غلطی تمہاری یہ ہے کہ ایک دن تم نے نماز اس حال میں ادا کی کہ تم نے پیشاب کے قطرات سے اپنے آپ کو مکمل مطمئن نہیں کیا تھا، پیشاب کرنے کے بعد فوراً تم نے جلد بازی میں وضو کیا اور نماز ادا کر لی۔

اسی وجہ سے اسلاف نے لکھا ہے کہ مظلوم کی مدد حتی الامکان واجب ہے، مدد کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود مظلوم کی مدد نہ کرنا قابل مواخذہ عمل ہے جس سے ہر شخص کو پرہیز کرنا چاہئے۔

اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مظلوم کو دیکھے اور اس کی فریاد کے باوجود اس کی مدد نہ کرے جبکہ وہ مدد کرنے پر قادر ہو ایسے شخص کو اس کی قبر میں آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔

اس زمانہ میں عام طور پر ماب لنچنگ (ہجومی تشدد) کی صورت حال کچھ اسی

انداز کی ہوتی ہے کہ چند دہشت گرد کسی بے قصور انسان کو قصور وار بنا کر اس پر ظلم شروع کر دیتے ہیں اور اتنا مارتے ہیں کہ اس کی جان لے لیتے ہیں اور وہیں پر درجنوں افراد تماشائی بنے کھڑے رہتے ہیں وہ مظلوم ومضروب چیختا چلاتا اور فریاد رسی کی گہار لگا تا رہتا ہے، لیکن اس کے آس پاس کے کھڑے لوگ تماشہ بین بن کر ویڈیو بناتے رہتے ہیں، حالانکہ مارنے والے چند افراد ہوتے ہیں، اگر دیکھنے والے سب مل کر اس کی مدد کریں تو اس مظلوم کی جان بچ سکتی ہے۔

ایسے تماشہ بینوں کو اس واقعہ اور حدیث پاک سے عبرت حاصل کرنا چاہئے اور ہوش میں آجانا چاہئے۔

حضرت رابعہ بصریہ اور حضرت حسن بصری کا مکالمہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت حسن بصری کبار اولیاء میں سے ہیں حضرت علی سے آپ نے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی، اس کے بعد کوفہ و بصرہ کی طرف چلے گئے، ورع و پرہیز گاری اور زہد وتقوی میں آپ بے مثال تھے، حضرت حسن بصری کو اللہ نے تقریر میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ فرماتے تھے، جس میں بڑا مجمع ہوتا تھا، آپ کے وعظ میں زمانہ کے صلحاء واتقیاء بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کا تہجد اس وقت چھوٹتا ہے جب

وہ کوئی گناہ کرتا ہے، لہٰذا رات کے شروع حصہ میں ہر شخص کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے، اگر کوئی گناہ ہو گیا ہو تو توبہ استغفار کرنا چاہئے تا کہ تہجد نصیب ہو جائے۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی نماز اس شخص پر گراں ہوتی ہے جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ ۸۹ سال کی عمر میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت حسن بصری کا شمار سلسلہ چشتیہ کے کبار اولیاء میں ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سلسلۂ چشتیہ میں حضرت حسن بصری ہی کا نام آتا ہے۔

حضرت حسن بصری کے زمانہ میں عورتوں میں حضرت رابعہ بصریہ کا شمار بھی کبار اولیاء میں ہوتا ہے، حضرت رابعہ بصریہ عورتوں میں ایسی ولیہ ہیں جنکا احترام ہر طبقہ کے اولیاء نے کیا ہے اور جن کی ولایت کو ہر ایک نے تسلیم کیا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ کا شمار قرون اولیٰ کے صوفیوں میں ہوتا ہے، آپ کی پیدائش بصرہ میں ہوئی کیونکہ اپنے والدین کی آپ چوتھی بیٹی تھیں، اس لئے آپ کا نام رابعہ یعنی چوتھی رکھا گیا، آپ انتہائی غریب لیکن معزز گھرانہ میں پیدا ہوئیں، والدین کی غربت کا یہ عالم تھا کہ جس رات میں آپ کی پیدائش بصرہ میں ہوئی نہ گھر میں روشنی کے لئے تیل تھا اور نہ آپ کو لپیٹنے کے لئے کوئی کپڑا کچھ عرصہ کے بعد حضرت رابعہ بصریہ کے والد انتقال کر گئے، اس کے بعد بصرہ میں سخت قسم کا قحط پڑا، قحط کی شدت کی وجہ سے آپ اپنی بہنوں سے بچھڑ گئیں۔

ایک بار حضرت رابعہ بصریہ ایک قافلہ میں جا رہی تھیں، قافلہ کو ڈاکوؤں نے

لوٹ لیا، ڈاکوؤں کے سردار نے آپ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور بازار میں باندی بنا کر آپ کو فروخت کر دیا، آپ کا آقا آپ سے بہت سخت محنت و مشقت کا کام لیتا تھا، اس کے باوجود حضرت رابعہ بصریہ دن بھر پُر مشقت کام کرتیں اور اکثر روزہ رکھا کرتی تھیں اور پوری رات عبادت میں گزارتی تھیں۔

ایک مرتبہ اتفاقاً آپ کے آقا کی آنکھ کھل گئی، اس نے دیکھا مکان سے گریہ وزاری کی آواز آ رہی ہے، تلاش کرتے ہوئے وہ حضرت رابعہ بصریہ کے پاس پہنچا دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رابعہ باندی سربسجود گریہ وزاری میں مصروف ہے، اس کی ایسی ہیبت اس کے دل و دماغ پر طاری ہوئی کہ اس نے کل ہو کر حضرت رابعہ کو بلا کر ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا، اس کے بعد رات و دن آپ معبود حقیقی کی عبادت میں محو ہو گئیں۔ آپ کی زندگی کا اثاثہ ایک ٹوٹا ہوا برتن ایک پرانی دری اور ایک اینٹ تھی جس سے تکیہ کا کام لیتی تھیں۔

حضرت حسن بصری حضرت رابعہ بصریہ کے مرشد تھے جیسے جیسے آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت بڑھتی گئی آپ کے معتقدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ بڑے بڑے محدثین وفقہاء بھی آپ کے یہاں پوری نیازمندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے، ان اکابر علماء ومحدثین میں حضرت سفیان ثوری کا بھی ذکر ملتا ہے، حالانکہ آپ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، پھر بھی آپ نیازمندانہ انداز میں حضرت رابعہ بصریہ کے یہاں حاضر ہوا کرتے تھے، ۸۸ سال کی عمر میں آپ نے اس دارفانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔

اسلاف کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت رابعہ بصریہ کے شوہر کا انتقال ہواتو حضرت حسن بصری اپنے چند رفقاء کے ساتھ ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے، حضرت حسن بصری اجازت کے بعد حضرت رابعہ بصریہ کے گھر میں تشریف لے گئے اور پردہ کے پیچھے بیٹھ گئے، حضرت حسن بصری نے حضرت رابعہ بصریہ سے فرمایا کہ آپ کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، لہٰذا آپ کو دوسری شادی کر لینی چاہئے، حضرت رابعہ بصریہ نے حضرت حسن بصری کے ساتھیوں سے پوچھا کہ اگر کوئی میرے لائق ہوتو بتلاؤ؟ حضرت حسن بصری کے ساتھیوں نے کہا کہ حضرت حسن بصری سے بہتر شوہر آپ کو کہاں ملے گا؟

حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا کہ اگر یہ میرے چار سوالات کے جوابات دے دیں تو میں ان سے نکاح کرنے کو تیار ہوں، حضرت حسن بصری نے فرمایا آپ سوال کریں میں جواب دینے کے لئے تیار ہوں، اس کے بعد حضرت رابعہ بصریہ نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

(۱) حضرت رابعہ بصریہ نے پوچھا پہلا سوال میرا آپ سے یہ ہے کہ جب میرے انتقال کا وقت آئے گا تو میری موت ایمان پر ہوگی یا نہیں؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں فرمایا یہ تو غیب کی بات ہے اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(۲) حضرت رابعہ بصریہ نے دوسرا سوال یہ کیا کہ جب میں قبر میں رکھ دی جاؤں گی اور منکر نکیر مجھ سے سوال کرنے کے لئے آئیں گے تو آپ بتلائیں میں ان کا

جواب صحیح دے پاؤں گی یا نہیں؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں فرمایا اس کا بھی تعلق غیب سے ہے جس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں اس کے بارہ میں کچھ نہیں بتلا سکتا۔

(۳) جب سارے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے اور نامۂ اعمال اڑایا جائے گا تو میرا نامۂ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں آئے گا یا بائیں ہاتھ میں؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں بھی فرمایا اس کا بھی تعلق غیب سے ہے جس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔

(۴) حضرت رابعہ بصریہ نے پوچھا قیامت کے دن جب اعلان ہوگا "فریق فی الجنة و فریق فی السعیر" کہ ایک فریق جنتی ہے اور ایک فریق جہنمی تو میرا شمار ان دونوں فریقوں میں سے کس میں ہوگا؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کا بھی تعلق غیب سے ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، لہٰذا اس کے بارے میں بھی میں کچھ نہیں بتلا سکتا۔

حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا جس کو ان چار باتوں کا غم ہو وہ شادی بیاہ کے چکر میں کیسے اپنے آپ کو مشغول کر سکتا ہے؟

اس کے بعد حضرت رابعہ بصریہ نے حضرت حسن بصری سے ایک دوسرا سوال کیا کہ اے حسن کیا آپ مجھ کو یہ بتلا سکتے ہیں کہ اللہ نے عقل کے کتنے حصہ بنائے ہیں؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں فرمایا دس حصہ ان میں سے نو

حصہ مردوں کو اللہ نے دیا ہے اور ایک حصہ عورتوں کو۔

اس کے بعد حضرت رابعہ نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے حسن کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہوت کے کتنے حصے بنائے ہیں؟

حضرت حسن بصری نے اس کے جواب میں فرمایا دس حصہ جس میں سے نو حصہ عورتوں کو دیئے گئے ہیں اور ایک حصہ مردوں کو۔

اس کے بعد حضرت رابعہ بصریہ نے کہا کہ اے حسن کتنی حیرت کی بات ہے کہ میں عقل کا ایک حصہ پانے کے باوجود شہوت کے نو حصہ کی حفاظت پر قدرت رکھتی ہوں اور آپ عقل کے نو حصہ پانے کے باوجود شہوت کے ایک حصہ کی حفاظت پر قادر نہیں ہیں۔

حضرت حسن بصری حضرت رابعہ بصریہ کا یہ جواب سن کر رو پڑے اور روتے ہوئے حضرت رابعہ بصریہ کے گھر سے نکل کر چلے گئے۔

والدین کی نافرمانی کی سزا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

ماں باپ ایسی نعمت ہیں جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں، بھائی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، بہنیں ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، بیوی بھی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن ماں ایک سے زیادہ نہیں

ہوسکتی اور اسی طرح باپ بھی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس تو حد کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ پاک نے اپنے ذکر کے بعد والدین کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایاہے۔''**و قضی ربک أن لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا**''، لہٰذا جس طرح اللہ کے ساتھ شرک نا قابل معافی جرم ہے اسی طرح ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی بھی نا قابل معافی جرم ہے اور یہ رب کا فیصلہ ہے جس میں قیل وقال کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جہنم سے ایک چیز نکلے گی جس کا نام حریش ہوگا اور یہ بچھو کے قسم کی ایک چیز ہوگی جس کی لمبائی آسمان وزمین کے فاصلہ کے برابر ہوگی اور چوڑائی مشرق سے مغرب تک ہوگی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دیکھ کر فرمائیں گے اے حریش کہاں جارہے ہو؟ اور کس کی تلاش میں جارہے ہو؟ وہ جواب دے گا پانچ قسم کے انسانوں کی تلاش میں میں جارہا ہوں۔

(۱) نماز چھوڑنے والے

(۲) زکوۃ نہ دینے والے

(۳) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے

(۴) شراب پینے والے

(۵) مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنے والے

جن پانچ قسم کے انسانوں کی تلاش میں حریش نکلے گا اور ان کو سزا دے گا ان میں ماں، باپ کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں، اس لئے ان نوجوانوں کو جو دنیاوی

رعنائی وشادابی میں مست ہوکر ماں، باپ کو بھول جاتے ہیں اوران کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں ان کو بے عزت اوررسوا کرتے ہیں ان پر تہمتیں لگاتے ہیں اور ماں، باپ کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ ہوشیار اور سمجھدار سمجھتے ہیں اوران کے سامنے زبان درازی اور بدتمیزی کرتے ہیں وہ سوچ لیں کہ آخرت میں ان کا کیا حشر ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ ہرایک کی حفاظت فرمائے۔

ماں باپ کےاولاد پر دس حقوق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

والدین اور اولاد کا ایسا رشتہ ہے کہ اس میں حقوق دوطرفہ ہیں، جہاں اولاد کے حقوق والدین پر ہیں، جن کو ماں باپ پوری اپنائیت اور محبت ومشقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ہر والدین اپنی حیثیت اور طاقت سے زیادہ اولاد کے لاڈ و پیار پر خرچ کرتے ہیں اوران کی پرورش کا حق ادا کر کےان کو حد بلوغ تک پہنچا کر شادی بیاہ کے فرائض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں اوراس کے بعد ماں باپ زندگی کے تیسرے مرحلے میں داخل ہوجاتے ہیں، اس وقت حقوق یکطرفہ ہوجاتے ہیں، ماں باپ اولاد کے حقوق وفرائض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں اور اب صرف ماں، باپ کے حقوق اولاد کے ذمہ رہ جاتے ہیں جن کی ادائیگی اولاد کے ذمہ ہوتی ہے، والدین کے جوحقوق اولاد

کے ذمہ ہیں ان کو شریعت نے بہت اہتمام اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چنانچہ کتابوں میں مذکور ہے کہ ماں باپ کے دس حقوق اولاد کے ذمہ ہیں:

(۱) ماں باپ کو کھلانا پلانا اگر وہ اس کے محتاج ہوں۔

(۲) ان کی خدمت کرنا اگر خدمت کی ضرورت ان کو ہو۔

(۳) ان کی آواز پر لبیک کہنا اگر وہ آواز دیں اور بلائیں۔

(۴) ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بشرطیکہ وہ تمہیں ایسی چیز کا حکم دیں جس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔

(۵) نرمی اور محبت سے ان کے ساتھ بات چیت کرنا سخت لہجے سے ہمیشہ گریز کرنا۔

(۶) ان کو کپڑا پہنانا اگر وہ کپڑے کے محتاج ہوں۔

(۷) چلنے میں ماں باپ کے پیچھے چلنا

(۸) جو اپنے لئے پسند کرے والدین کے لئے اسی چیز کو پسند کرنا۔

(۹) والدین کے لئے اس چیز کو ناپسند کرنا جس کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہو۔

(۱۰) جب جب اپنے لئے دعاء کرے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔

لیکن مغرور قسم کے نوجوان ایسے آپ کو اس زمانہ میں ملیں گے جو ان حقوق کی ادائیگی سے مکمل غافل ہونے کے باوجود بزعم خود اپنے کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور کتنے آخرت سے غافل ایسے نوجوان ملیں گے جن کی سوچ یہ ہے کہ ہمارا حق والدین کے اوپر آخری سانس تک ہے، ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ہماری پرورش سے فارغ

ہو گئے تو ہماری بیوی کی پرورش کریں، ہمارے بال بچوں کی پرورش کریں، ان کی شادی بیاہ کرائیں اور ہمارے سارے اخراجات کا بوجھ ہلکا کریں، لیکن ماں باپ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کو ہم سے نہ کہیں، چنانچہ مختلف انداز سے ایسے ناہنجار اولادیں ماں باپ کے اوپر غیر اخلاقی دباؤ بناتی رہتی ہیں اور ماں باپ کے حقوق کو یک لخت فراموش کر بیٹھتی ہیں ایسے دماغ کا علاج قبر کی مٹی ہی کر سکتی ہے۔

اور کتنی ماؤف العقل اولادیں ایسی بھی ہیں جو والدین کی زندگی میں ان کی کمائی میں ڈاکہ ڈالتی ہیں اور ڈاکہ ڈالی ہوئی رقم کو بہت شوق سے اپنے اور اپنی اولادوں کی عیاشی پر صرف کرتی ہیں اور افسوس صد افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے لڑکے بھی یہ حرکتیں کرتے ہیں جو بزعم خود اپنے کو عالم و فاضل اور سند یافتہ سمجھتے ہیں اور قبر و حشر کے سوال و جواب سے اور اللہ کے یہاں پیشی سے بالکل بے خوف ہو کر پوری بے باکی اور سینہ زوری کے ساتھ چوری اور ڈاکہ کی غلیظ حرکت کے شکار ہوتے ہیں اور اپنے لئے مال مباح سمجھتے ہیں۔

اس لئے ہر ماں باپ کو اپنی جوانی میں اپنے بوڑھاپے کا خود خیال رکھ کر چلنا چاہئے، اس خیال خام میں ہرگز نہیں رہنا چاہئے کہ بوڑھاپے میں اولاد کام آئے گی اور وہ خدمت کرے گی بلکہ ہر ماں باپ کو چاہئے کہ جو کچھ کریں اپنے نام سے کریں اور اپنے ہاتھ کو مضبوط بنا کر رکھیں، ورنہ اس زمانہ میں پڑھے لکھے لڑکے بھی اس کو بیچ لا کلام سمجھ کر اپنی ذاتی پراپرٹی سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ باپ نے اپنی ذاتی کمائی سے وہ چیز حاصل کی ہوتی ہے، قانونی کسی دشواری یا مجبوری کی وجہ سے لڑکوں کے نام وہ چیزیں یا

پراپرٹی لکھ دیتے ہیں جو شرعاً واخلاقاً باپ کی ملکیت ہوتی ہے،لیکن آج کل کے لڑکے باپ کی زندگی ہی میں ان چیزوں سے بے دخل کر دیتے ہیں اوراس کو اپنی ملکیت سمجھ بیٹھتے ہیں، نہ باپ کو واپس کرتے ہیں، نہ باپ کے مرنے کے بعد بہنوں کا حصہ اس میں سے دیتے ہیں۔

اس لئے اس خادم کی تمام قارئین وحاضرین سے دردمندانہ درخواست ہے کہ ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لیں اور جذبات میں آکر کوئی فیصلہ نہ کریں، فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی پوری زندگی اوراپنے بوڑھاپے کے حالات کوضرور مدنظر رکھیں ورنہ اس زمانہ کی اولادوں کا جوحال ہے وہ بہت برا ہے جو کچھ یہ خادم کہہ رہا ہے انتہائی تلخ تجربات کی روشنی میں کہہ رہا ہے اس لئے بہت سنجیدگی سے ان باتوں کو سنیں اور پڑھیں اوراولادوں کی بے جا محبت میں ہرگز نہ آئیں۔

نیز اپنی دنیا کے ساتھ اپنی آخرت کی فکر کریں اولادوں کے لئے اپنی آخرت کو بالکل ضائع اور برباد نہ کریں،اس کا ہمیشہ خیال رکھیں۔

ایک فقیہ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اگر کسی کے والدین اپنی اولاد سے ناراض ہوکر دنیا سے چلے جائیں تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کو راضی کیا جا سکے؟ فقیہ نے جواب دیا کہ تین باتوں کے ذریعہ یہ ممکن ہے۔

(۱)اولاد کو چاہئے کہ خود اپنی زندگی میں صلاح وتقوی پیدا کرے۔

(۲) والدین کے رشتہ دار اوران کے دوستوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور صلہ رحمی کا سلوک کرے۔

(۳) والدین کے لئے ہمیشہ استغفار کرے، دعائے مغفرت کرے اوران کے لئے صدقہ وخیرات کرتا رہے۔

اگر پابندی کے ساتھ اولاد اپنی زندگی میں یہ تین کام کرے تو ممکن ہے کہ ناراضگی کی تلافی ہو جائے اوراگر تلافی نہیں ہوسکی تو آخرت میں قیامت کے دن ایسی اولادوں کو نازک مراحل سے گزرنا ہوگا، وہاں پھران کو کوئی بچا نہیں پائے گا۔

اللہ پاک اس زمانہ کی اولادوں کو فہم سلیم عطا فرمائے اوررب علیم سے لرزنے والا قلب عطا فرمائے اور ہرطرح کی بددماغی وبدمزاجی اور بدزبانی وبدکلامی سے اور والدین کی دل آزاری سے اور والدین کے دل کو توڑنے والے ہفوات وبکواس سے اللہ نوجوانوں کی حفاظت فرمائے اور صحیح شعور کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

تین چیزیں بغیر تین کے مقبول نہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی تین آیتیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ان کا جزءاول بغیر جزءثانی کے مقبول نہیں۔

(۱)"أقیموا الصلوۃ و اتوا الزکاۃ" نماز قائم کرواورزکوۃ ادا کرو، اگر کوئی شخص نماز پڑھے اورزکوۃ ادانہ کرے تو نماز مقبول نہیں۔

(۲)"أطيعوا الله و أطيعوا الرسول" اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کی اطاعت تو کرے لیکن اللہ کے رسول کی اطاعت نہ کرے تو اللہ کی اطاعت مقبول نہیں۔

(۳)"ان أشكر لی و لوالديک" میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا لہٰذا اگر کوئی اللہ کا شکر ادا کرے اور والدین کی ناشکری کرے تو اللہ کے نزدیک اس کا شکر قابل قبول نہیں۔

اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے والدین کو راضی کرلیا اس نے اپنے خالق اللہ جل شانہ کو راضی کرلیا اور جس نے اپنی حرکتوں سے والدین کو ناراض کیا اس نے اپنے خالق یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں مضمر ہے، اس لئے ہر اولاد کو یہ ذہن میں رکھ کر زندگی گزارنی چاہئے کہ اس کے والدین اس سے راضی اور خوش رہیں، ظاہر سی بات ہے کہ اگر اولاد ماں، باپ کی خدمت گزار اور فرماں بردار ہوگی اور ماں باپ کی ضروریات کا خیال رکھے گی تو یقیناً ماں باپ راضی وخوش رہیں گے اور اس کے نتیجہ میں ان کے دل سے جو دعا نکلے گی وہ دعا یقیناً ان کی دنیا وآخرت کے سنوارنے میں کام آئے گی۔

لیکن اگر کوئی اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو ماں باپ اولاد کی اذیتوں سے پریشان حال ہوں اور اپنی خدمت کے لئے وہ دوسروں کے محتاج ہوں اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھر رہے ہوں تو ایسے ماں باپ کی

اولاد کی عبادت وطاعت، روزہ، نماز، تہجد ونوافل، سب رائیگاں وغیر مقبول ومردود ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس زمانے کے نوجوانوں کو دین شریعت کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ اور ماں باپ کا خدمت گزار مطیع وفرماں بردار بنائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والتسلیم ایک مرتبہ آسمان وزمین کے درمیان سفر فرمارہے تھے اسی دوران آپ کا گزر ایک گہرے سمندر کے اوپر سے ہوا، آپ نے اس سمندر میں ایک خاص قسم کے تلاطم کو دیکھا اور آپ وہاں پہنچ کر رک گئے، اس کے بعد عفریت نامی جن کو حکم دیا کہ سمندر میں غوطہ لگا کر اس کی تہہ میں پہنچے اور یہ دیکھے کہ یہ تلاطم یہاں پر کیسا ہے؟ عفریت نامی جن جب وہ سمندر کی تہہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا سمندر کی تہہ میں سفید موتی کا ایک قبہ ہے جس میں کوئی سوراخ نہیں ہے، اس قبہ کو نکال کر لے آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام اس قبہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے اس کے بعد انہوں نے اللہ سے دعا کی اور دعا کی برکت سے اللہ نے اس قبہ کے بند دروازے کو کھول دیا، قبہ کے اندر جب آپ کی نظر پڑی تو آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان اس قبہ میں سجدہ ریز ہے، یہ منظر دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام حیرت زدہ رہ گئے آپ نے اس سے

پوچھاتم فرشتہ ہو یا انسان یا جنات؟

سجدہ ریز جوان نے جواب میں کہا میں انسان ہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے بعد اس سے پوچھا تم کو یہ کرامت وشرافت کیسے حاصل ہوئی؟ اس نوجوان نے کہا والدین کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کی وجہ سے۔

اس کے بعد اس نوجوان نے والدین کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کا پورا واقعہ بیان کیا کہ جب میری والدہ بہت زیادہ بوڑھی ہوگئیں تو میں ان کے لئے فرش راہ بن گیا ان کی ہر ضرورت اور خواہش کی تکمیل کے لئے میں نے اپنے کو وقف کردیا، یہاں تک کہ میں نے اپنی کمر کو ان کے لئے سواری بنا دیا ان کو کہیں جانا ہوتا تو ان کو میں اپنی کمر پر سوار کر کے لے جاتا، میری والدہ میری خدمت سے خوش ہوکر مجھ کو یہ دعا دینے لگیں کہ اے اللہ میرے اس بچے کو قناعت نصیب فرما اور میرے انتقال کے بعد اس کو ایسی جگہ نصیب فرما جو نہ زمین میں ہو نہ آسمان میں۔

اس جوان نے کہا جب میری والدہ کا انتقال ہوگیا تو میں ایک دن سمندر کے ساحل پر گھوم رہا تھا، اتنے میں میری نظر اچانک موتی کے ایک قبہ پر پڑی جب میں اس قبہ کے قریب ہوا تو اس کا دروازہ کھل گیا اس کے بعد میں اس قبہ میں داخل ہوگیا، اس کے بعد قبہ کا درواوزہ خود بخود بند ہوگیا، اس کے بعد مجھے پتہ نہیں کہ میں فضاء میں ہوں یا زمین میں، میں ایک زمانہ سے اسی قبہ میں ہوں۔

یہ واقعہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نوجوان سے پوچھا کہ اس قبہ میں تم کھاتے پیتے کیسے ہو؟ اس نوجوان نے کہا کہ جب مجھ کو بھوک لگتی ہے اس قبہ

میں ایک درخت نمودار ہوتا ہے اور فوراً اس پر پھل آ جاتے ہیں وہ پھل میں پیٹ بھر کر کھا لیتا ہوں اور جب پیاس لگتی ہے تو اسی قبہ میں مجھے تازہ اور ٹھنڈا پانی مل جاتا ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے میں جی بھر کر پی لیتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نوجوان سے سوال کیا کہ اس قبہ میں رہتے ہوئے رات دن کا پتہ تم کو کیسے لگتا ہے؟ اس کے جواب میں اس نوجوان نے کہا کہ جب صبح ہوتی ہے تو قبہ سفید ہو جاتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ دن ہے اور جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو قبہ میں تاریکی ہو جاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ رات ہو گئی ہے، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعاء کی اس کے نتیجہ میں اس قبہ کا دروازہ اسی طرح بند ہو گیا جیسا پہلے بند تھا اور وہ سمندر کی تہہ میں اسی جگہ پہنچ گیا جہاں وہ پہلے تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بوڑھے ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں رائیگاں نہیں جاتی، لہٰذا ہر اولاد کو ماں باپ کی خدمت کر کے ان سے دعا لے کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کی ضرورت ہے اور یہ ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ بوڑھے ماں باپ کی دعا جس طرح بوڑھاپے میں رائیگاں نہیں جاتی۔ اسی طرح ان کی بد دعا بھی رائیگاں نہیں جاتی اس لئے ہر نوجوان کو اپنے بوڑھے ماں باپ کی دعا اور بد دعاء سے بھی بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حفاظت فرمائے اور صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ماں کی دعا کا اثر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اس سے پہلے کی کئی مجلسوں میں والدین کی خدمت اور اطاعت اور ان کی دعاؤں کے اثر کے واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، اس میں شک نہیں کہ والدین کی دعا اور بددعاء رنگ لائے بغیر نہیں رہتی اور والدین کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی، چنانچہ کتابوں میں ایک واقعہ منقول ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ اے اللہ میرا جنت میں جو ساتھی ہوگا میری اس سے ملاقات کرادے اور دکھادے۔

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا فلاں شہر میں چلے جاؤ وہاں ایک قصاب ہے اور اس کے چہرے کی نشان دہی کردی گئی کہ اس کا چہرہ ایسا ایسا ہے وہی جنت میں تمہارا ہم نشیں اور ساتھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر کی اس دکان پر گئے جس کی اللہ کی طرف سے نشاندہی کی گئی تھی۔ چنانچہ اس کو آپنے وہاں موجود پایا، لیکن وہ شخص گوشت کی فروختگی کے کام میں بہت زیادہ مصروف تھا، اس لئے غروب تک یعنی دکان کے بند ہونے تک اس کا انتظار کیا، دکان بند کرنے سے پہلے قصاب نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور ایک تھیلی میں اس کو رکھ لیا۔

جب وہ دکان بند کر کے گوشت کی تھیلی اپنے ساتھ لے کر گھر کے لئے روانہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کیا میں تمہارا مہمان بن سکتا ہوں؟ اس نے کہا کیوں نہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قصاب کے ہمراہ ہو لئے تا آنکہ

وہ اپنے گھر پہنچا، حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر کے اندر کے اس کے مشاغل اور کام کاج کو بہت دھیان سے دیکھتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ گھر میں جانے کے بعد وہ شخص کچن میں گیا، تھیلے سے گوشت نکالا اور اس کی بوٹی بنائی، اس کو بھون کر اچھا شوربا اور سالن تیار کیا، اس کے بعد اس نے ایک پیالہ میں گوشت کا شوربہ لیا اور گھر کے ایک کونے سے ایک تھیلہ اتارا جس میں ایک انتہائی کمزور بوڑھیا عورت بیٹھی ہوئی تھی، جیسے کبوتر کا کوئی بچہ ہو، اس شخص نے بہت محبت اور پیار سے اس زنبیل سے بوڑھی عورت کو نکالا اس کے بعد ایک چمچہ سے گوشت کا شوربا پلایا، ایک ایک چمچہ کر کے وہ پلاتا رہا یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہوگئی، اس کے بعد اس شخص نے اس کے کپڑے لئے اور دھوئے اور سکھایا اور پہنایا اور پھر اسی زنبیل میں اسے رکھ دیا۔

اس بوڑھی عورت کے دونوں ہونٹ ہلے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں، میں نے اس کے ہونٹ کے ہلنے کو دیکھا کہ میں قریب جاؤں اور سنوں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، میں نے سنا کہ وہ کہہ رہی ہے "اللھم اجعل ابنی جلیس موسیٰ فی الجنۃ" کہ اے اللہ میرے بیٹے کو جنت میں موسیٰ کا ہم نشین اور ساتھی بنا، اس کے بعد اس شخص نے زنبیل اٹھائی اور کھونٹی سے ٹانگ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قصاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس خدمت کے علاوہ کوئی اور خدمت یا عمل تمہارے پاس ہے، اس نے کہا نہیں۔

قصاب نے کہا یہ میری امی جان ہیں یہ اتنی ضعیف و کمزور، نحیف و لاغر ہو چکی ہیں کہ بیٹھنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے ساتھ یہ خدمت و سلوک و برتاؤ میرا ایک زمانہ سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بشارت ہو تمہارے لئے میں ہی موسیٰ ہوں اور تم میرے ہم نشیں اور ساتھی ہو جنت میں اور تم کو یہ سعادت عظمیٰ اس بوڑھی وکمزور وضعیف والدہ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ثمرہ ونتیجہ میں ملی ہے۔

یقیناً بوڑھے ماں باپ کی خدمت ضائع نہیں ہوتی، آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی اس کا بہترین صلہ ملتا ہے، اللہ پاک نئی نسل کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت و دلجوئی و اچھے برتاؤ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں آنے والے مہمان کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک مجوسی حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے مہمان بننے کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا جب تک تم مجوسیت نہیں چھوڑوگے اور اپنے دین سے باہر نہیں آؤگے میں تم کو مہمان نہیں بنا سکتا، اس جواب کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوگیا، اس کے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ اے ابراہیم اس کی مجوسیت کے باوجود میں اس کو ستر سال سے کھلا پلا رہا ہوں اور تم ایک رات کے لئے اس کو اپنا مہمان

نہیں بنا سکے، مہمان بنانے کے لئے تم نے مجوسیت سے نکلنے کی شرط لگادی، اس کے بعد جب صبح ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مجوسی کی تلاش میں نکل پڑے، یہاں تک کہ اس کو پاگئے اور اس کو اصرار کر کے اپنا مہمان بنایا، مجوسی نے کہا مجھے حیرت ہے کہ کل تو آپ مجھے دھکا دے کر بھگا رہے تھے اور آج مجھ کو تلاش کر کے مہمان بنا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پوچھنے پر پوری بات بتلادی، مجوسی نے جواب سن کر کہا کہ رب الارباب کا معاملہ میرے ساتھ ایسا ہے اس کے باوجود ایک زمانہ سے میں کفر کر رہا ہوں، اے ابراہیم ہاتھ بڑھائیے اور مجھ کو کلمہ پڑھائیے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں پر وہ مجوسیت سے تائب ہو کر وحدانیت میں داخل ہو گیا۔

حضرات صحابہ کا ایک اہم سوال اور حضور کا جواب

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرات صحابہ کرام کا احسان ہے پوری امت پر کہ انھوں نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت تک پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا، حضرات صحابہ کرام کے اس عظیم احسان کا بدلہ نہ امت دے سکتی ہے اور نہ ہی ان کے احسان کو فراموش کر سکتی ہے۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرام نے ایک مرتبہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک انتہائی اہم سوال کیا صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب

آپ ہمارے درمیان دنیا میں نہیں ہوں گے تو زمین کے اوپر والا حصہ ہمارے لئے بہتر ہے یا نیچے والا، یعنی ہمارے لئے مرجانا بہتر ہے یا زندہ رہنا۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا جب تمہارے امراء اور حکام وہ افراد ہوں جو تم میں اچھے ہوں اور تم میں جو صاحب ثروت ہوں ان میں سخاوت موجود ہو اور تمہارے معاملات مشورے سے طے ہوتے ہوں اس وقت تک زمین کے اوپر والا حصہ بہتر ہے، نیچے والے حصہ سے۔

اور جب تمہارے امراء اور حکام وہ افراد بن جائیں جو تم میں بدتر ہوں اور تم میں سے جو اصحاب ثروت ہوں ان میں بخل آجائے اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں اس وقت زمین کا نچلا حصہ بہتر ہے اوپر سے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے امت کو انتہائی قیمتی دستور اور اصول بتلا دیا اور ایک ایسا رہبر اصول دے دیا جس کی روشنی میں ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس کے لئے کیا بہتر ہے اور اتنی اہم بات حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بتلا سکتا، کاش امت کو اس کی دقت ولطافت سمجھ میں آجائے۔

اللہ کی اپنے حبیب کو پانچ نصیحتیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

جس رات حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی اور اللہ

سے ہمکلامی کا آپ کو شرف حاصل ہوا اس رات میں جہاں بہت ساری باتیں ہوئیں، آقا فرماتے ہیں کہ اللہ نے مجھ کو پانچ نصیحتیں فرمائیں۔(۱) پہلی نصیحت اللہ نے اپنے حبیب کو یہ کیا کہ اے محمد اپنے دل کو دنیا سے نہ لگانا، اس لئے کہ یہ دنیا میں نے تمہارے لئے نہیں بنائی ہے۔

چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس نصیحت پر پوری زندگی عمل کیا باوجودیکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو آفر کیا گیا کہ اگر آپ کہیں تو احد پہاڑ کو آپ کے لئے سونے کا بنادیں، لیکن آپ نے انکار کردیا اور پوری زندگی آپ نے معمولی سے گھروندے میں بسر کردی، کئی کئی روز تک آپ کے گھر میں چولہا نہیں جلا، کئی کئی روز تک آپ کو آٹے کی روٹی نہیں نصیب ہوئی، فاقہ پر فاقہ اور پیٹ پر پتھر باندھنے کی نوبت آئی، لیکن پوری بشاشت کے ساتھ انہیں حالات میں آپ نے پوری زندگی گزار دی، حالانکہ اگر آپ چاہتے تو سونے اور چاندی کا ڈھیر آپ کے لئے لگا دیا جاتا، لیکن آپ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی قولاً وعملاً اس کی ہدایت کرتے رہے، چنانچہ آپنے فرمایا کہ اگر دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک لنگڑے مچھر کے پَرُ کے برابر بھی ہوتی تو اپنی ذات و صفات کے انکار کرنے والے کو اللہ ایک گھونٹ پانی پینے کو نہ دیتے۔

کبھی ناک کٹے اور کان کٹے ھوئے بد بودار بکری کے بچے کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اس دنیا کی بے وقعتی کو اس انداز سے سمجھایا کہ اے میرے ساتھیو اگر یہ بکری کا بچہ جس کی ناک بھی کٹی ہوئی ہے اور کان بھی کٹے ہوئے ہیں اور مری ہوئی بھی

ہے، بدبو بھی آ رہی ہے، اگر کوئی تم کو ایک درہم میں دے تو تم خریدو گے صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول یہ اگر مفت میں کوئی دے تو ہم لینے کو تیار نہیں ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری نظر میں جتنا بے حیثیت یہ بکری کا بچہ ہے، اس سے زیادہ بے حیثیت اللہ کی نگاہ میں یہ دنیا ہے۔

غرضیکہ آپ خود بھی دنیا اور اس کی آسائش سے دور رہے اور اپنی تعلیم و تلقین کے ذریعہ اپنے ساتھیوں کو بھی دور رکھا۔

(۲) اللہ نے اپنے حبیب کو دوسری وصیت یہ فرمائی کہ صرف مجھ سے محبت رکھنا کیونکہ تم کو لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔

چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی اس نصیحت اور وصیت پر عمل کیا اور اپنے دل میں اللہ کی محبت کے علاوہ کسی کی محبت کو داخل نہیں ہونے دیا اور اسی کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی بھی اسی کے مطابق تربیت فرمائی۔

(۳) جنت کی جستجو اور تلاش کی محنت کرتے رہنا، چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی جنت کی جستجو اور تلاش میں لگادی اور حضرات صحابہ کرام کی تربیت اسی انداز سے فرمائی کہ وہ بھی ہمیشہ جہنم سے نجات اور جنت کی طلب میں لگے رہے۔

(۴) مخلوق سے کوئی امید نہ رکھنا اس لئے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نصیحت اور وصیت پر بھی پوری زندگی عمل کیا اور اپنی کسی حاجت کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی اپنی ذاتی ضرورت کا کسی کے سامنے اظہار کیا خود بھی قناعت پسند رہے اور حضرات صحابہ کو بھی قناعت کی

تلقین فرماتے رہے۔

(۵) تہجد کی پابندی کرنا اس لئے کہ میری مدد قیام اللیل کے ساتھ ہے، چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی اس پر عمل فرمایا اور تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کے بعد بھی پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا فرماتے رہے، تہجد میں طول قیام کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک پر سوجن بھی آجایا کرتا تھا، لیکن آپ نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی، اس کے ساتھ حضرات صحابہ کی بھی تربیت آپنے اس انداز سے کی کہ وہ بھی سو فیصد تہجد کے پابند تھے۔

ابدالوں کی سات نصیحتیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرات صوفیاء کرام کی تحقیق یہ ہے کہ ولایت کے مختلف درجات ہیں، سب سے اونچا درجہ غوث کا ہے اور غوث پوری دنیا میں ایک ہی ہوتا ہے، اسکے بعد قطب کا درجہ آتا ہے اور یہ غوث کے ماتحت ہوتے ہیں، دنیا کے چار کونے پر یہ مامور ہوتے ہیں اور ان کی لگام غوث کے ہاتھ میں ہوتی ہے، انھیں کے حکم پر ان کا عزل ونصب ہوتا ہے، اس کے بعد ابدال کا نمبر آتا ہے اور اس کے بعد نجیب اور اس کے بعد نقیب کا نمبر ہے۔

ان حضرات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ضرور ملتا ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نقباء کی تعداد تین سو ہے اور ابدال کی تعداد چالیس ہے اور اخیار کی

تعداد سات ہے۔

لیکن بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اخیار کی تعداد پانچ سو ہے اور ابدال کی تعداد چالیس ہے، ان چالیس ابدال میں سے اگر کوئی دنیا کو الوداع کہہ دیتا ہے تو اخیار میں سے وہ خالی جگہ پُر کی جاتی ہے، اس لئے دنیا میں ابدال کی تعداد پوری رہتی ہے۔

لیکن ان کی تعداد کے سلسلے میں بعض حضرات نے بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ یہ نقل کیا ہے کہ نقباء کی تعداد تین سو ہے اور نجباء کی تعداد ستر ہے اور ابدال کی تعداد سترہ ہے اور اخیار کی تعداد سات ہے اور قطب کی تعداد چار ہے اور غوث کی تعداد ایک ہے۔

لیکن اس میں سب کا اتفاق ہے کہ سب سے اونچا منصب غوث کا ہے اور سب سے نچلا منصب نقیب کا ہے، باقی مناصب ان کے درمیان کے ہیں۔

بعض حضرات صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ ان سب کا ہیڈ کوارٹر غار حرا ہے اور غار حرا میں یہ سب جمع ہوتے ہیں۔

طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابدال کا مسکن ملک شام ہے۔

لیکن علامہ جلال الدین سیوطی کی تصریح کے مطابق نقباء کا مسکن مغرب ہے، نجباء کا مسکن مصر ہے، ابدال کا مسکن شام ہے، اقطاب کا مسکن دنیا کے چار گوشے ہیں مشرق، مغرب، شمال، جنوب، اور غوث کا مسکن مکہ ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم بن ادہم جو کبار اولیاء میں سے ہیں ان کے پاس ایک دن کچھ مہمان آئے، حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنے اعتبار سے ان کی خاطر مدارات کی کچھ قرائن کے ذریعہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ

مہمان عام مہمان نہیں ہیں بلکہ سب کے سب ابدال ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے ان مہمانوں سے یعنی ابدالوں سے نصیحت اور وصیت کی خواہش کا اظہار کیا، ان کی درخواست پر ان ابدالوں نے حضرت ابراہیم بن ادہم کو سات نصیحتیں کیں۔

(۱) ان ابدالوں نے کہا جو شخص باتیں بہت کرتا ہو اس کے دل کی بیداری کی امید نہ رکھنا، بلکہ یہ سمجھ جانا کہ اس کا دل مردہ ہے اس لئے کہ جس کا دل بیدار ہوتا ہے، اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے بوقت ضرورت بقدر ضرورت ہی زبان کھلتی ہے، لیکن جن کا دل غافل ہوتا ہے ان کی زبان بے لگام ہوتی ہے اور وہ مہا بکو بننے کو اپنا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے دل کے غافل اور مردہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

(۲) جس شخص کا کھانا زیادہ ہو یعنی جو بہت زیادہ کھانا کھاتا ہو اس سے حکمت اور دانائی کی امید نہ رکھنا کیونکہ اصحاب حکمت اور دین کی فہم رکھنے والے دانا لوگوں کی غذا کم ہوتی ہے، ان کی نظر بطن سے زیادہ باطن پر ہوتی ہے، اور قلت طعام پر ان کا عمل ہوتا ہے اور جن کا دل ودماغ حکمت اور دانائی سے خالی ہوتا ہے، کھانے پر چوپاؤں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔

(۳) جس آدمی کا میل جول لوگوں سے بہت زیادہ ہو اس کے بارے میں عبادت کی حلاوت کی امید نہ رکھنا، کیونکہ جن حضرات کو عبادت کی حلاوت لذت اور ٹیسٹ مل جاتا ہے وہ خلوت نشینی کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنا وقت عبادت میں مصروف کر دیتے ہیں اور خواہ مخواہ کی دوستی یاری کے چکر میں وہ نہیں پڑتے اور خواہ مخواہ لوگوں کے در پر چکر لگا کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگ یکسوئی کے ساتھ

عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

(۴) جس کا دل دنیا سے لگا ہوا ہو اور دنیا سے محبت رکھتا ہو اس کے بارے میں حسن خاتمہ کی امید نہ رکھنا کیونکہ دنیا کی محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے ''حب الدنیا راس کل خطیئة''، لہٰذا جب کوئی ایسا شخص نظر آئے جو دنیائے دنی کی دناءت کے باوجود اس کا حریص و لالچی ہے اور اسکے چکر میں ہر وقت پڑا رہتا ہے کہ کیسے یہ دنیا میرے پاس آجائے، چاہے اسکے آنے کا راستہ حلال ہو یا حرام، یہ تمیز بھی بھول جاتا ہے تو سمجھ جاؤ کہ اس کا خاتمہ خراب ہو چکا ہے اور بغیر ایمان کے یہ دنیا سے جانے والا ہے۔

(۵) جو شخص جاہل ہو اس کے دل کی حیات کی امید نہ رکھنا کیونکہ جاہل کا دل مردہ ہوتا ہے، زندگی اسی دل میں پیدا ہوتی ہے جس دل میں اللہ کا نور یعنی علم ہو اور اس کی محبت و معرفت ہو اگر کوئی شخص نور علم سے کورا ہے یہ دلیل ہے اس کے دل کے مردہ ہونے کی۔

(۶) جو شخص ظالم کی صحبت میں رہتا ہو اس کے بارے میں دین کی استقامت کی امید نہ رکھنا کیونکہ استقامت بھی بہت بڑی دولت ہے بلکہ بزرگوں نے تو استقامت علی الدین کو خیر من الف کرامہ یعنی ہزار کرامت سے افضل قرار دیا ہے، لیکن ایسا شخص جو ظالم کی صحبت میں رہتا ہو وہ اس عظیم دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۷) جو شخص لوگوں کی خوشنودی کا طالب ہو اس سے اللہ کی رضا کی امید نہ رکھنا کیونکہ ارضاءِ خلق بھی روحانی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے جس کو یہ بیماری لگ جاتی ہے وہ ہر وقت زید، عمرو، بکر خالد کو خوش کرنے کے چکر میں پڑا رہتا ہے، اس

کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنے کو ان اعمال میں مصروف کرے جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے کچھ وقت فارغ کرے، اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی رضا جوئی کا طالب ہوتا ہے اور اللہ کی خوشنودی و نا خوشنودی کی فکر نہیں کرتا، ایسے لوگوں کو اللہ پاک لوگوں کے حوالہ فرما دیتے ہیں، پھر وہی لوگ جن کی رضا جوئی میں زندگی بھر پڑا رہا ایک دن وہ آتا ہے کہ وہی لوگ اس کے سر پر جوتا مارتے ہیں۔

لیکن جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں ان کو اس کی فکر نہیں ہوتی کہ زید، عمرو، بکر خالد اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں وہ لوگ ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اللہ کو خوش کرنے والے اعمال میں لگے رہتے ہیں، پھر ان کا مزاج یہ بن جاتا ہے کہ ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

طاعت کی حلاوت ملنے والی سات چیزیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرمایا کرتے تھے جو آدمی سات کلمات کو یاد کرے اور ان کو ان کے مواقع پر استعمال کرے اس کا اللہ کے نزدیک اور فرشتوں کے

نزدیک ایک مقام ہوتا ہے، اس کے ساتھ ان کلمات کو ہر موقع پر استعمال کرنے کا بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور طاعات میں اس کو حلاوت ملتی ہے اور اس کی زندگی اور موت بہتر ہوتی ہے، وہ سات کلمات یہ ہیں۔

(۱) جب کوئی کام شروع کرے تو کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذریعہ شروع کرے، یعنی جو کام کرے بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔

(۲) ہر جائز کام سے فارغ ہونے کے بعد الحمدللہ کہے، یعنی اس کا معمول بنالے کہ جب کام سے فارغ ہو تو اللہ کی تعریف کرے، یعنی الحمدللہ کہے۔

(۳) جب کبھی بلاقصد یا بالقصد زبان پر کوئی لایعنی بات آجائے تو فوراً استغفر اللہ کہے، یعنی اس کی تلافی استغفار کے ذریعہ کرے اور اس کی معافی اللہ سے مانگے۔

(۴) جب کبھی آئندہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا اظہار کرے تو اس وقت ان شاء اللہ ضرور کہہ لے جس کا حکم قرآن کریم میں بھی دیا گیا ہے۔

(۵) اگر کوئی ناپسندیدہ چیز سامنے آجائے یا اس کا ارتکاب ہوجائے تو فوراً لا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔

(۶) اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے۔

(۷) اور ہمیشہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ چلتے پھرتے اپنی زبان پر جاری رکھے۔

مصیبت اور معصیت میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے

فرمایا کہ:

حضرت فقیہ ابواللیث کے کلام میں یہ بات آئی ہے کہ جب کوئی مصیبت لاحق ہوتو اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ضمن میں یہ بات بھی آ جائے کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں اور مصیبت اور معصیت میں کیا فرق ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور کتاب ہے اوجز المسالک جو موطاء امام مالک کی شرح ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت محنت کے بعد یہ کتاب لکھی ہے اور اس کی تکمیل میں کافی عرصہ لگا ہے، حضرت شیخ نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت اچانک چراغ گُل ہوگیا، چراغ کے بجھنے کے بعد فوراً حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس جگہ تشریف فرما تھیں، انھوں نے فوراً یہ سوال کر ڈالا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء تو مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے، آپ نے چراغ گل ہونے پر یہ دعا پڑھی کیا چراغ کا گل ہونا کوئی مصیبت ہے۔

اس کے جواب میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ کیا تم کو معلوم ہے کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مصیبت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو خلق یعنی انسان کو بری لگے اور ہر وہ چیز جو خالق کو بری لگے اس کو معصیت کہتے ہیں، لہٰذا انسان کا ہر وہ قول وفعل اور عمل جس سے اللہ ناخوش ہو اور اس کو بری لگے اس کو معصیت کہتے ہیں اور انسان کا ہر وہ قول وفعل وعمل جو کسی دوسرے انسان کو برا لگے اس کے لئے وہ مصیبت ہے، اس کے بعد حضرت نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ چراغ کا بجھنا تمہیں اچھا لگا یا خراب حضرت عائشہ نے فرمایا خراب لگا، اچھا نہیں کیونکہ اس کے جلنے کی وجہ سے روشنی تھی، ہر چیز نظر آ رہی تھی اور اس کے بجھنے کے بعد اندھیرا ہو گیا، اجالا ہر ایک کو اچھا لگتا ہے اور اندھیرا خراب، آ قا نے فرمایا بس جب چراغ کا بجھنا تمہیں اچھا نہیں لگا تو یہ تمہارے لئے مصیبت ہے، لہٰذا تم یہ دعا پڑھ سکتی ہو۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں اور معصیت کس کو اور دونوں میں کیا فرق ہے۔

سات چیزیں انسان کے قبر کو روشن کرتی ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

انسان کی اس دنیا میں چند بنیادی ضرورتیں ہیں جس کے لئے ہر انسان حلال وحرام کی تمیز چھوڑ کر رات ودن تگ ودو کرتا ہے اور دنیا کے پیچھے دوڑتا اور بھاگتا رہتا ہے۔

(۱) اچھا کھانا پینا (۲) اچھا کپڑا لباس (۳) اچھا اور آرام دہ بستر (۴) کشادہ مکان (۵) اس مکان میں اچھی ہوا کا انتظام (۶) اچھی روشنی کا انتظام، ان کے علاوہ تو باقی چیزیں تعیّشات میں داخل ہیں۔

لیکن یہ یاد رہنا چاہئے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد قبر میں پہنچ کر یہ بنیادی ضرورتیں ختم نہیں ہو جاتیں، بلکہ وہاں بھی باقی رہتی ہیں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب قبر اگر ایمان اور عمل صالح اور اللہ کے تعلق اور خوشنودی کے ساتھ زندگی گزار کر جاتا ہے اور منکر نکیر کے سوالات کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دیتا ہے تو اللہ پاک کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کو جنت کا لباس پہنا دو اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھا دو، اس کی قبر کو تا حد نظر کشادہ کر دو اور اس کی قبر میں روشنی کا انتظام کر دو اور اچھی آب و ہوا کے لئے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو اس طرح اس کی بنیادی ضرورتیں وہاں پوری کر دی جاتی ہیں۔

حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ سات چیزیں ایسی ہیں جو قبر کو منور کرتی ہیں۔

(۱) عبادت میں اخلاص:

اخلاص کس کو کہتے ہیں اس کی تفصیل دیگر مجالس میں آچکی ہے کہ اخلاص کا حاصل یہ ہے کہ جس کا ہو اسی کا ہو کر رہ جائے، لہٰذا نماز میں اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں وہ محویت پیدا ہو جائے کہ دل و دماغ اعضاء و جوارح سے ہر ایک کا تصور نکل جائے اور صحابہ جیسی حالت بن جائے کہ میدان جہاد میں لگنے والا تیر نماز کی حالت میں نکالا جاتا، لیکن نماز میں اس قدر محو ہوتے کہ تیر کے نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

(۲) والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک یہ عمل بھی ایسا ہے جو قبر میں روشنی کا سبب ہے۔

(۳) رشتہ داروں سے صلہ رحمی اس کا حکم اللہ نے بھی دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ''وات ذاالقربی حقہ'' کہ رشتہ داروں کا حق ادا کرو، لہٰذا وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کمائی صرف ہماری بیوی اور ہمارے بال بچوں کے لئے ہے وہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں

کہ ان کی کمائی میں رشتہ داروں کا بھی حق ہے، غرباء ومساکین کا بھی حق ہے، مسافر اور ضرورت مندوں کا بھی حق ہے، یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ ہماری کمائی میں صرف ہماری بیوی بال بچوں کا حق ہے اور کسی کا نہیں ایسے لوگوں کو اپنی سوچ کی اصلاح کرنی چاہئے۔

(۴) زندگی معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی میں نہ گزری ہو یعنی اللہ کو جو چیز بری لگتی ہے اس سے بچتے ہوئے زندگی گزاری ہو۔

(۵) خواہشات نفس کی اس نے اتباع نہ کی ہو اس لئے کہ عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کر کے اپنے تابع بنا کر چلے، نفس کی خواہشات کے تابع خود کو نہ بنائے اور وہ شخص بے وقوف ہے جو خواہشات نفسانی کی اتباع کرے اور آخرت کو بھول جائے جو لوگ بھی نفسانی خواہشات سے اپنے کو دور رکھتے ہیں ان کا ٹھکانہ جنت ہوتا ہے اور جو نفسانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔

(۶) طاعت وعبادت میں خوب محنت کرے اور پوری جانفشانی کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرے تا کہ جب اللہ پاک بندے سے پوچھے تو اللہ کی بارگاہ عالی میں ان اعمال کو پیش کر سکے۔

(۷) اللہ کا ذکر کثرت سے کرے چونکہ یہ محبت کی نشانی ہے "من احب شیئاً أکثر ذکرہ" جب بندہ اس دار فانی میں اللہ کو یاد رکھتا ہے تو جب بندے کو اللہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اللہ بندے کو یاد رکھتا ہے، بھولتا نہیں، لیکن جو لوگ دنیا میں اللہ کو بھول جاتے ہیں جب ان کو اللہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اللہ بھی ان کو بھول جاتا ہے، اس لئے ہر بندہ کو اس دار فانی میں اللہ کی یاد میں مصروف رہنا چاہئے تا کہ جب اللہ کی

مدد کی ضرورت اس کو پڑے تو اس کو فوراً اللہ کی مدد مل جائے۔

اہل محلّہ میں سے ایک کے نماز چھوڑنے پر پورے محلّہ والوں پر لعنت برستی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے حکم سے روگردانی ایسا عمل ہے کہ جس سے صرف گناہ کرنے والا ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی ہر مخلوق اس سے متاثر ہوتی ہے اور پوری فضاء پر اس کے اثرات پڑتے ہیں۔

چنانچہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر ہوا کرتا تھا لیکن انسانوں کی بداعمالی، حکم عدولی اور اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے جہاں کائنات کی ہر چیز متاثر ہوئی گیہوں کا دانہ بھی متاثر ہوا، چنانچہ اس کی ضخامت آج جتنی بڑی ہے وہ آج ہم سب کی نظروں کے سامنے ہے۔

حضرات علماء کی کتابوں میں موجود ہے کہ جس وقت حضرت آدم علیہ الصلوۃ والتسلیم اس زمین پر تشریف لائے اس وقت روئے زمین کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر خطہ سرسبز و شاداب تھا، اس کا ہر گوشہ ہریالی سے لبریز تھا، انسان جس درخت کے پاس پہنچتا تھا ہر موسم میں ہر درخت پر اس کو پھل مل جایا کرتا تھا، سمندر کا پانی میٹھا تھا، اور شیر کی نیت گائے بیل کو دیکھ کر خراب نہیں ہوتی تھی اور بھیڑیے سے بکریاں محفوظ تھیں۔

لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور دنیا کا سب سے بڑا گناہ وجود میں آیا تو اس معصیت اور حکم عدولی کا اثر ہر چیز پر ہوا، چنانچہ زمین کی وہ شادابی ختم ہوگئی اور درختوں نے ہر موسم میں پھل دینا بند کردیا، شیر نے گائے اور بیل پر حملہ شروع کردیا، بکریاں بھیڑیوں کے لئے لقمۂ تر بن گئیں، زمین کالی پڑگئی سمندر کا پانی کھارا ہوگیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا"**ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس**" خشکی اور قحط، سیلاب و پانی کی کثرت، وبائی امراض اور آگ زنی، کمائیوں سے برکت کا اٹھنا، روزی کی کمی، جہالت وضلالت، ظلم اور سفاکیت، جیسی چیزوں کے وجود میں بھی انسانوں کے معاصی اور گناہوں کا اثر ہے۔

یہاں تک حضرات علماء نے لکھا ہے کتابوں میں موجود ہے کہ اگر کسی بستی یا محلّہ کے لوگوں میں سے ایک شخص بھی نماز کا تارک ہوتا ہے یعنی وہ نماز نہیں پڑھتا تو پورے محلّہ والوں پر روزانہ ستر مرتبہ اللہ کی لعنت برستی ہے۔

اسی لئے اگر محلّہ میں کوئی بے نمازی ہو تو اہل محلّہ کی ذمہ داری ہے کہ اس شخص کو ڈانٹیں، پھٹکاریں اور سمجھا بجھا کر اس کو نمازی بنائیں ورنہ اس کی وجہ سے جو عذاب آئے گا اس سے نمازی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔

دین پر استقامت کے لئے دس باتوں کی ضرورت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

استقامت بہت بڑی دولت ہے جس کی ضرورت ہر مسلمان کو ہے جب تک

مؤمن میں استقامت یعنی دین اور ایمان میں جماؤ نہ پیدا ہو اس وقت تک اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک صحابی کو خصوصیت کے ساتھ یہ کہہ کر استقامت کی تلقین فرمائی "**قل اٰمنت بالله ثم استقم**" کہ اللہ پر ایمان لاؤ، پھر اس پر استقامت اختیار کرو، یعنی اس کے بعد جیسے بھی حالات آجائیں ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ چنانچہ حضرت خباب بن ارت اور حضرت بلال حبشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حالات سے نبرد آزما ہو کر امت کو بتلا دیا کہ استقامت کس کو کہتے ہیں اور ہر صحابی نے بزبان حال یہ اعلان کر کے دنیا کو بتا دیا کہ استقامت کس کو کہتے ہیں ؎

جو جان چاہو تو جان لے لو جو مال چاہو تو مال لے لو
جو جان چاہو تو جان دے دیں جو مال چاہو تو مال دے دیں
یہ ہم سے ہرگز نہ ہوسکے گا نبی کا جاہ و جلال دے دیں

اسی لئے ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے مرقات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے:

"**الاستقامة خير من الف كرامة**" کہ استقامت ہزار کرامت سے بڑھ کر ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کے ایک خادم نے ایک طویل عرصہ خدمت کرنے کے بعد دوسرے کسی اللہ والے کے یہاں جانے کی اجازت چاہی، حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کیا بات ہے کیوں جا رہے ہو؟ خادم نے عرض کیا کہ حضرت اتنے دن ہوگئے آپ کے پاس رہتے ہوئے، لیکن آپ کی

کوئی کرامت نہیں دیکھی۔

حضرت جنید بغدادی نے خادم سے پوچھا اچھا تم نے کوئی کرامت نہیں دیکھی لیکن اتنے لمبے عرصہ میں میرا کوئی کام سنت کے خلاف دیکھا؟ خادم نے عرض کیا نہیں، حضرت جنید بغدادی نے فرمایا یہ بہت بڑی کرامت ہے بلکہ ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔

حضرت فقیہ ابو اللیث فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اس کا خواہش مند ہو کہ اس کے اندر استقامت پیدا ہو جائے تو وہ اپنے اوپر دس چیزوں کو لازم کرے۔

(۱) غیبت سے اپنی زبان کو محفوظ کر لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی غیبت سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے "**و لا یغتب بعضکم بعضا**"۔

(۲) سوء ظن سے پرہیز کرے یعنی کسی سے بدگمانی قائم نہ کرے کیونکہ سوء ظن سے بھی اللہ نے منع فرمایا ہے "**اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم**" اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**ایاکم و سوء الظن و انه اکذب الحدیث**"۔

(۳) کسی کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے: ارشاد باری ہے "**لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم**"۔

(۴) نگاہ نیچی رکھے غیر محرم کو دیکھنے سے مکمل گریز کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**قل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم**"۔

(۵) ہمیشہ سچ بولے جھوٹ سے مکمل گریز کرے چونکہ ارشاد خداوندی ہے: "**و اذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربی**"۔

(۶) حتی المقدور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا رہے اس سے دریغ اور گریز نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انفقوا من طیبات ما کسبتم"۔

(۷) اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'ولا تبذر تبذیرا"۔

(۸) علو اور کبر سے اپنے کو بچا کر رکھے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے "تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا"۔

(۹) پانچوں نمازوں کی پابندی کرے کیونکہ ارشاد ربانی ہے "حافظوا علی الصلوات و الصلوة الوسطی"۔

(۱) سنت کے مطابق پوری زندگی گزارے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان هذا صراط مستقیما فاتبعوه"۔

یہ دس وہ اعمال اور صفات ہیں کہ اگر ان اعمال اور صفات کو کوئی اپنی زندگی میں پیدا کرلے تو بقول ابواللیث سمرقندی اس کی زندگی میں استقامت پیدا ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ ان صفات کو پیدا کرنے کی ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے، اور استقامت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم کو حسب ضرورت خوارق یعنی

معجزات سے سرفراز فرمایا جس سے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی خود حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت سے معجزات دیئے گئے جس میں زیادہ تر عملی معجزات ہیں، اگر چہ آپ کو علمی معجزہ بھی دیا گیا جو ابھی تک باقی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا۔

عملی معجزات حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف ازمنہ، مختلف امکنہ اور مختلف ادوار میں ظاہر ہوتے رہے جو دیکھنے الوں کے لئے تقویت ایمان کا ذریعہ بنتے رہے۔ حضر کے ساتھ سفر میں بھی مختلف زمانوں میں آپ کے معجزات ظاہر ہوئے جن کو حضرات صحابہ کرام نے دیکھا اور سفر سے لوٹنے کے بعد دوسرے صحابہ سے ان کا تذکرہ کیا اور نتیجہ کے طور پر سب کے لئے ایمان میں زیادتی کے ساتھ مضبوطی کا سبب بنا انہیں سفری واقعات میں سے ایک واقعہ کے راوی حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں ایک سفر میں، میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں نے اس سفر میں تین باتیں ایسی دیکھیں کہ جس کی وجہ سے اسلام ہمیشہ کے لئے میرے دل میں بیٹھ گیا۔

(۱) ان میں سے پہلی بات یہ دیکھی کہ دوران سفر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی جس جگہ آپ تشریف فرما تھے وہاں پردے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی، کچھ فاصلے پر کچھ درخت تھے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیل سے فرمایا کہ ان درختوں کے پاس تم جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ مجھ کو حاجت سے فارغ ہونا ہے اور

یہاں پردے کا کوئی انتظام نہیں ہے، لہٰذا تم آ کر میرے لئے پردے کا کام کرو، چنانچہ آپ کے حکم پر میں گیا اور درختوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا، ابھی میں نے پیغام مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ درخت جڑوں سے اکھڑنے لگے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے ارد گرد ایسا حصار قائم کر دیا کہ اس کے بعد مکمل پردہ ہو گیا، یہاں تک کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت سے فارغ ہو گئے، اس کے بعد وہ درخت چل کر اپنی جگہ پر پہونچ گئے۔

(۲) دوسرا معجزہ یعنی واقعہ یہ پیش آیا کہ دوران سفر مجھ کو شدید پیاس لگی میں نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پیاس کا اظہار کیا، چونکہ ہم میں سے کسی کے پاس پانی نہیں تھا اس لئے آپ نے فرمایا پہاڑ پر چلے جاؤ اور جا کر پہاڑ سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ اگر تمہارے پاس پانی ہو تو مجھ کو پلا دو، چنانچہ میں پہاڑ پر چڑھا اور پہاڑ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نقل کیا، میں نے اپنی بات ابھی پوری بھی نہیں کی تھی کہ پہاڑ نے بہت ہی اچھے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر میرے پاس پانی ہوتا تو ضرور پلاتا، لیکن میرے پاس پانی بالکل نہیں ہے، چونکہ جب سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "**یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا و قودھا الناس والحجارۃ**" خوف سے اتنا رویا کہ میرے اندر کا سارا پانی آنسو بن کر نکل گیا، اب میرے پاس پانی بالکل نہیں ہے اس لئے معذرت خواہ ہوں۔

(۳) حضرت عقیل فرماتے ہیں تیسرا معجزہ اور واقعہ یہ پیش آیا کہ دوران سفر ایک جگہ اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا آپ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا

"الامان الامان" اے اللہ کے رسول مجھے بچائیے، مجھے بچائیے۔تھوڑی دیر میں اس کے پیچھے دوڑتا بھاگتا ایک اعرابی آیا جس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے پوچھا اس مسکین کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے اس کو مہنگے داموں میں خریدا، لیکن یہ میری بات نہیں مانتا ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کو ذبح کرکے اس کے گوشت سے نفع اٹھاؤں، یہ سن کر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا تمہارے مالک کیا کہہ رہے ہیں؟ تم اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے، اونٹ نے جواباً عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا مالک مجھ سے جو کام لینا چاہتا ہے اس سے مجھے کوئی انکار نہیں ہے، لیکن مجھ کو تکلیف اس کے اس قبیح عمل سے ہے جس کو روزانہ یہ کرتا ہے اور وہ قبیح عمل یہ ہے کہ بشمول میرے مالک کے اس کا پورا قبیلہ عشاء کی نماز چھوڑ کر عشاء سے پہلے سو جاتا ہے، اگر آپ اس سے یہ طے کروالیں کہ یہ عشاء کی نماز کبھی نہیں چھوڑے گا تو میں آپ سے عہد کرتا ہوں اس کی نافرمانی کبھی نہیں کروں گا، اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر عشاء کی نماز چھوڑنے پر اللہ کا عذاب ان پر آیا تو اس کا شکار میں بھی بنوں گا، اس لئے کہ میں بھی انہیں کے درمیان رہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ عشاء کی نماز کبھی نہیں چھوڑے گا، اور عہد لینے کے بعد اونٹ اس کے حوالہ کردیا وہ اونٹ لے کر اپنے گھر واپس ہوگیا اور اس طرح اونٹ کی جان بچ گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اسلاف کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم ایک مرتبہ سفر فرما رہے تھے، دوران سفر آپ کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو اللہ کی عبادت میں بہت جی لگا کر مصروف تھی، آپ نے ان کو دیکھ کر سلام کیا اور تھوڑی دیر ان کے درمیان بیٹھ گئے، آپ نے دیکھا کہ رنگ برنگ کے کھانے پینے کی چیزیں اور مختلف قسم کے پھل وہاں موجود ہیں، اس کے ساتھ بیوی بال بچے بھی سب کے سب وہیں پر ہیں، نیز ان کی آبادی بھی پورے طور پر مزین و بارونق ہے، اس کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، کچھ عرصہ کے بعد جب آپ کی واپسی اسی راستہ سے ہوئی تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں نہ ان کی آبادی ہے نہ ان کے بیوی بال بچے کچھ دنوں پہلے جو آبادی مکمل آباد تھی، وہ ویران ہو چکی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کو یہ دیکھ کر حیرت کے ساتھ بہت تعجب ہوا، اللہ سے درخواست کی کہ اے پروردگار عالم یہ کیوں ہلاک کر دیئے گئے، کیا انھوں نے نماز چھوڑنا شروع کر دیا تھا، اور آپ کی بندگی بند کر دی تھی؟ یا کوئی اور بات تھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں، لیکن ایک مرتبہ ان کی آبادی کے پاس سے ایک نماز چھوڑنے والا گزرا، اس نے ان کے پانی سے اپنا چہرہ دھویا، چہرہ دھونے کے بعد والا پانی دوسرے پانی میں مل کر ان کی آبادی اور ان کے کھیتوں میں گیا اس کی نحوست ان

لوگوں پر ایسی پڑی کہ سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ڈرنے کا مقام ہے کہ ایک بے نمازی کی نحوست اتنی پڑی کہ پوری آبادی ہلاک کر دی گئی، اس لئے نماز چھوڑنے والوں کی صحبت اور مجالست سے گریز کرنا چاہئے اور حتی الامکان کوشش کر کے اس کو نمازی بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی فیملی میں ایک آدمی بے نمازی ہوتا ہے تو اس کی نحوست فیملی اور پڑوس کے ستر لوگوں تک پہنچتی ہے، اس لئے نماز کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کے لئے فکر مند رہنا چاہئے، کیونکہ اس سے کام نہیں چلے گا کہ میں تو نمازی ہوں نماز پابندی سے پڑھتا ہوں، بلکہ اہل خانہ اور پڑوس پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ کوئی بے نمازی نہ رہ سکے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

بزرگوں کی کتابوں میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ مذکور ہے، آپ حضرات بھی سن کر حیران رہ جائیں گے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، اتنے میں اچانک ایک نوجوان عرب روتا ہوا مسجد کے دروازہ پر پہونچا، حضرت نبی

پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر پوچھا، اے نوجوان کیوں رو رہے ہو، اس نے جواب میں عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے والد محترم کا انتقال ہو گیا ہے، اس کو نہ کوئی غسل دینے والا ہے اور نہ ہی ان کے لئے کفن کا انتظام ہے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس کے والد کے غسل اور کفن کے انتظام کے لئے حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر کو اس کے ساتھ بھیجا، جب یہ دونوں حضرات اس کے گھر پہونچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ والد کا چہرہ کالے خنزیر کی طرح ہے، یہ دونوں حضرات الٹے پاؤں واپس آ گئے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اس کے والد کی صورتحال سے باخبر کیا، یہ سننے کے بعد حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے والد کے جنازہ کے پاس پہنچے، وہاں پہنچ کر آپنے دعا فرمائی، اس دعا کی برکت سے اس کے باپ کی اصلی شکل واپس آ گئی۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر اس کو غسل دیا، کفن پہنایا جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں دفن کیا، لیکن جب قبر میں اس کے والد کو اتارنے لگے تو اس کی شکل پھر کالے خنزیر جیسی ہو گئی، یہ ماجرا دیکھ کر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت ہوئی، آپ نے اس نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا، اے نوجوان تمہارے ابا کا دنیا میں عمل کیسا تھا؟ اس نوجوان نے کہا کہ میرے والد میں سب سے بڑی کمی یہ تھی کہ وہ کبھی نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ سن کر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انکو مخاطب کر کے فرمایا، اے میرے ساتھیو نماز چھوڑنے والے کی حالت دیکھ لو، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے دن کالے خنزیر کی شکل میں اٹھائیں گے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سامعین

وموجودین کومخاطب کر کے فرمایا، اللہ سے ڈرنے کی بات ہے، اورلرزنے اورخوف کھانے کی بات ہے کہ نماز کے چھوڑنے پر اتنا بڑا عذاب ہوتا ہے جس کو کوئی مؤمن سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن کسی کے ساتھ ان واقعات کو ظاہر کر کے اللہ پاک یہ بتلا دیتے ہیں کہ میرے حکم کو نہ ماننے والوں کی سزا کیا ہے، اس لئے ہر شخص کو اللہ کی نافرمانی سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، بالخصوص نماز کے اہتمام اور وقت پر ادائیگی کا بہت دھیان دینے کی ضرورت ہے، اللہ پاک ہرایک کی مدد فرمائے اور اللہ کی پکڑ سے ہرایک کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک صاحب کا انتقال ہوا، تجہیز وتکفین کے بعد لوگ نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوئے تو کفن میں حرکت شروع ہوئی، لوگ یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا گئے، جب کفن کھول کر دیکھا تو ایک سانپ نظر آیا جو مردے کے گلے میں لٹکا ہوا تھا، جو اس کے گوشت کو کھا رہا تھا اور خون کو چوس رہا تھا، لوگوں نے اس سانپ کو مارنے کا ارادہ کیا اتنے میں سانپ کو اللہ نے قوت گویائی عطا کی اور سانپ بول پڑا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟ میں نے کونسا گناہ کیا ہے؟ مجھ کو تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں قیامت تک اس کو اسی طرح عذاب دوں، حاضرین نے سانپ کو مخاطب

کر کے کہا کہ اچھا تم میں کوئی غلطی نہیں ہے، تم مامور ہو تو اس کی کیا غلطی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ سزا دے رہے ہو؟ سانپ نے اس کے جواب میں کہا اس میں تین غلطیاں تھیں جس کی وجہ سے یہ عذاب میں مبتلا ہے۔

(۱) جب یہ اذان کی آواز سنتا تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد نہیں آتا تھا۔

(۲) اپنے مال سے زکوۃ نہیں نکالتا تھا۔

(۳) علماء کی باتوں کو نہیں سنتا تھا۔

اس کی زندگی کی یہ تین غلطیاں ہیں جس کی سزا یہ بھوگ رہا ہے اور قیامت تک بھوگتا رہے گا۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اس واقعہ کو سنانے کے بعد فرمایا اس انداز کے واقعات دل کو دہلا دینے والے ہیں ہر مسلمان کو ان واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور اللہ کے ہر حکم کی بجا آوری کا عہد کرنا چاہئے اور اللہ کی نافرمانی سے ہمیشہ پرہیز اور گریز کرنا چاہئے، کیونکہ ہر انسان کو دنیا چھوڑنا ہے اور مکمل اللہ کی تحویل میں جانا ہے، جہاں اللہ کی مرضی کے علاوہ کوئی چیز کام نہیں دے گی، اس لئے ہر انسان کو دنیا میں رہتے ہوئے اوامر کا امتثال کرنا چاہئے اور نواہی سے اجتناب کرنا چاہئے، اللہ پاک ہر مسلمان کو شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کی گرفت اور عذاب سے ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔

جماعت کی نماز چھوڑنے پر بارہ قسم کا عذاب

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اسلاف کی کتابوں میں کنز الاخبار کے حوالہ سے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو آدمی جماعت کی نماز کا تارک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بارہ قسم کے عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں، تین کا تعلق دنیا سے ہے اور تین کا تعلق موت کے وقت سے ہے اور تین کا تعلق قبر سے ہے اور تین کا تعلق قیامت کے دن سے۔

وہ تین عذاب جن کا تعلق دنیا سے ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کمائی وروزی سے برکت اٹھا لیتے ہیں، وہ شخص کماتا بہت ہے لیکن اس کی ساری ضرورتیں اٹکی رہتی ہیں، اچھے خاصے پیسوں کا پتہ نہیں چلتا، کب آیا کب چلا گیا اور یہ نحوست اور عذاب ہوتا ہے با جماعت نماز کے چھوڑنے کا اور جو لوگ با جماعت نماز کے پابند ہوتے ہیں، اللہ پاک ان کی تھوڑی سی کمائی میں برکت ڈال دیتے ہیں اور بڑے بڑے کام اور مسائل مختصر سی آمدنی سے حل ہوتے رہتے ہیں۔

(۲) صلحاء کا نور ان سے چھین لیا جاتا ہے جو لوگ با جماعت نماز کے پابند ہوتے ہیں ان کے چہروں پر ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے جن کو دیکھنے والے محسوس کرتے ہیں اور جو نماز چھوڑنے والے ہیں اور جماعت کا اہتمام نہیں کرتے ان کے چہرے اس خاص قسم کے نور سے محروم ہوتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز چھوڑنے کی ایک نحوست یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کے چہرے پر وہ نورانیت نہیں ہوتی جو نورانیت

باجماعت نماز پڑھنے والوں کے چہرے پر ہوتی ہے۔

(۳) ایسا شخص کامل ایمان رکھنے والوں کی نظر میں مبغوض ہوتا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کی نفرت ان کے دلوں میں ہوتی ہے اور یہ نحوست ہوتی ہے باجماعت نماز کے چھوڑنے کی وہ تین عذاب جو اس کو موت کے وقت دیا جاتا ہے۔

(۱) ان میں سے پہلا عذاب یہ ہے کہ اس کی روح شدت پیاس کی حالت میں قبض کی جاتی ہے، روح کے قبض ہونے کے وقت اس قدر شدید پیاس لگتی ہے کہ اگر وہ کئی نہروں کو پی جائے پھر بھی اس کی پیاس نہ بجھے۔

(۲) اس کی روح سختی کے ساتھ نکالی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو تکلیف بہت ہوتی ہے۔

(۳) ایمان کے زائل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

وہ تین عذاب جو تارک جماعت کو قبر میں دیا جاتا ہے

(۱) ان میں سے پہلا عذاب یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال میں سختی ہوتی ہے جس مرحلہ سے ہر انسان کو گزرنا ہوتا ہے۔

(۲) ایسے لوگوں کے لئے قبر سخت تاریک ہوجاتی ہے۔

(۳) ایسے لوگوں کی قبر تنگ ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ ایک پسلی دوسری پسلی میں گھس جاتی ہے۔

وہ تین عذاب جو ایسے شخص کو قیامت کے دن بھگتنا پڑتا ہے۔

(۱)ان میں سے پہلا عذاب یہ ہے کہ اس کا حساب وکتاب سخت لیا جاتا ہے۔

(۲)اللہ پاک ایسے بندے سے ناراض رہتے ہیں۔

(۳)اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو جہنم میں داخل فرمادیتے ہیں۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے یہ حدیث سنانے کے بعد حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بہت احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت ہے، ترک جماعت ایک ایسی وبا ہے کہ آج کل عوام وخواص سب اس کے شکار ہیں، بالخصوص نوجوان فضلاء اس مرض میں زیادہ مبتلا ہیں، وہ جماعت کی اہمیت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، ان کے نزدیک موبائل سب سے اہم ہے وہ نہ اذان کی پرواہ کرتے ہیں نہ نماز کی، اللہ ہی ان کا محافظ ہے اور وہی ان کا مربی ہے، آج کل کے نوجوانوں کا حال تو یہ ہے کہ اگر ان کے بڑے اور بزرگ کچھ کہہ دیں تو ان کو برا لگتا ہے اور وہ اپنے کو علامہ سمجھتے ہیں، حالانکہ ہر لائن سے وہ صفر ہوتے ہیں، لیکن ہمہ دانی کا بھوت ان کے سر پر سوار رہتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

شیطانوں کا انسان سے بھاگنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اسلاف کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک شخص جنگل بیابان میں اکیلے سفر کر رہا تھا، شیطان نے موقع پا کر اس کا ساتھ پکڑ لیا اور وہ اس کے ساتھ ہو لیا، لیکن اس شخص

نے جب فجر کا وقت آیا تو نماز نہیں پڑھی، اسی طرح ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی بھی نماز نہیں پڑھی تا آنکہ سونے کا وقت آ گیا اس شخص نے سونے کا ارادہ کیا تو شیطان اس کو چھوڑ کر جانے لگا، اس مسافر شخص نے کہا کہ دن بھر تو ساتھ رہے اب آرام کرنے کا وقت آیا تو ساتھ چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ شیطان نے کہا میں نے ایک مرتبہ زندگی میں اللہ کی نافرمانی کی تو میں ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گیا، تم نے تو دن بھر میں پانچ مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نہ آ جائے اور اس عذاب میں تمہارے ساتھ میں بھی لپیٹ لیا جاؤں، اس لئے میں تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ واقعتاً حقیقت یہی ہے کہ نماز کا چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح جماعت کا چھوڑنا بھی گناہ ہے، اس لئے حضرات علماء وفقہاء فرماتے ہیں کہ اذان سننے کے بعد مسجد پہنچ کر باجماعت نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، اگر کسی علاقہ کے سارے لوگ جماعت چھوڑ دیں اور کوئی بھی مسجد نہ جائے تو امیر المومنین کے لئے ان سے قتال ضروری ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اگر محلّہ میں سے کوئی آدمی بغیر عذر کے جماعت چھوڑ دے تو امیر المومنین کے لئے اس کی تعزیر واجب ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں اور کم سے کم تعزیر تین کوڑا ہے، نیز اس کے پڑوسی اور امام اور مؤذن اگر کسی کی جماعت چھوڑنے پر نکیر نہ کریں تو سب گنہگار ہوں گے اور صاحب خلاصۃ الفتاوی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھتا ہو تو تعزیراً اس کے سارے مال کو ضبط کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت نبی

پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت چھوڑنے والے کوملعون قرار دیا ہے اور یہ فرمایا کہ زمین بھی ایسے شخص پر لعنت بھیجتی ہے فرشتے بھی ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں، مچھلیاں سمندر میں اس پر لعنت بھیجتی ہیں اور جو شخص اذان اور اقامت سنے اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد نہ آئے تو اللہ کے رسول نے اس کو اس امت کا یہودی فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں ایک صاحب حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس آئے اور انھوں نے آ کر کہا اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو دن بھر روزے رکھتا ہے اور رات بھر تہجد پڑھتا ہے، لیکن جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا، آپ نے فرمایا ایسا شخص جہنمی ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **"لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد"** کہ مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز سوائے مسجد کے گھر میں درست نہیں ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو نماز اور جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے اور مسجد کی حاضری کو لازمی اور ضروری بنانا چاہئے اور وقت پر مسجد پہنچ کر با جماعت نماز ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

اللہ پاک ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت دحیہ کلبی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت دحیہ بن خلیفہ بن فروہ الکلبی بہت وجیہہ اور خوبصورت انسان تھے،

جب مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو تمام پردہ نشیں عورتیں دیکھنے لئے گھروں سے نکل آتی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والتسلیم بھی اکثر حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں وحی لے کر آیا کرتے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد سوائے غزوۂ بدر کے سارے غزوات میں آپ نے شرکت کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک آپ زندہ رہے، عام طور پر مکاتیب نبوت کے قاصد آپ ہی رہے، ہرقل کے پاس مکتوب گرامی کو پہنچانے کا فریضہ آپ ہی نے انجام دیا۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کی حالت میں عرب کے بادشاہوں میں سے تھے، آپ کے زیر اثر سات سو افراد تھے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اسلام قبول کرنے کے خواہشمند تھے، چنانچہ آپ ان کے لئے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ دحیہ کلبی کو اسلام سے سرفراز فرما، چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے نکل پڑے اُدھر یہ گھر سے نکلے۔

اِدھر اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز کے بعد اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی اے محمد میں نے ایمان کا نور دحیہ کلبی کے دل میں ثبت کر دیا ہے اور وہ اپنے گھر سے نکل چکا ہے، تمہاری خدمت میں پہنچنے والا ہے، چنانچہ جب حضرت دحیہ کلبی مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہو سلم کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے ان کے اکرام میں اپنے بدن سے رداء مبارک کو اتار کر زمین پر بچھا دیا اور حضرت دحیہ کلبی کو اس پر بیٹھنے کے لئے فرمایا، جب حضرت دحیہ کلبی نے حضرت نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس اکرام کو دیکھا تو بے ساختہ رو پڑے اور آپ کی مبارک چادر کو اٹھایا اور اس کو بوسہ دیا اور اپنے سر پر رکھا اور اپنی آنکھوں سے لگایا اس کے بعد انھوں نے کہا اے اللہ کے نبی اسلام کے فرائض کیا ہیں؟ پیش فرمائیں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید کی تلقین فرمائی اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، انھوں نے پڑھا، اس کے بعد وہ رو پڑے اور بہت روئے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے دحیہ کیوں رو رہے ہو؟ کیا اسلام میں داخل ہونے کی خوشی میں رو رہے ہو یا کسی اور وجہ سے حضرت دحیہ نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے کہ میں بتلا نہیں سکتا، آپ اللہ سے پوچھیں اس کا کفارہ کیا ہے؟ میں اس کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں، اگر ان گناہوں کے کفارہ میں مجھ کو اپنی جان دینی پڑے تو اس کے لئے بھی تیار ہوں اور اگر سارا مال دینا پڑے تو اس کے لئے بھی تیار ہوں، یہ سن کر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دحیہ پہلے ان گناہوں کو تو بتاؤ، وہ کون سے گناہ ہیں؟

حضرت دحیہ کلبی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو معلوم ہی ہے میں عرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ اہل عرب بچیوں سے نفرت کرتے تھے، میں بھی اسی معاشرے کا ایک فرد تھا، اس لئے مجھ کو بھی بچیوں سے اور دامادوں سے نفرت تھی میں اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں ابن فلاں دحیہ کلبی کا داماد ہے اور دحیہ کلبی کی بچی فلاں ابن فلاں سے منسوب ہے۔ چنانچہ اس خبط کی وجہ سے میں نے اپنی ستر بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دحیہ کلبی کی یہ بات سن کر لرز اٹھے، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام

تشریف لائے اور انھوں نے آ کر یہ پیغام سنایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ دحیہ کلبی سے اللہ کا یہ پیغام سنا دیں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قسم ہے میری عزت وجلال کی جب تم نے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا تو میں نے تمہارے ساٹھ سال کے کفر کو معاف کر دیا اور ساٹھ سال جتنا مجھ کو برا بھلا کہا اس کو معاف کر دیا تو میں تمہاری بچیوں کے قتل کو کیسے معاف نہیں کروں گا، جب کہ وہ بچیاں تمہاری تھیں، یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے تمام صحابہ بھی رو پڑے۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ جب آپ نے دحیہ کو جو اپنی ستر بچیوں کا قاتل تھا ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنے کیوجہ سے معاف کر دیا تو آپ کیسے میری امت کے ان افراد کے گناہوں کو معاف نہیں فرمائیں گے جنھوں نے اپنی زندگی میں لاکھوں مرتبہ کلمۂ شہادت کو پڑھا ہے۔

اس کے بعد حضرت دحیہ کلبی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں شامل ہو گئے اور پوری زندگی پورے اخلاص کے ساتھ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت معاذ بن جبل کے ایک سفر کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اس میں شک نہیں کہ ”خیر الکلام کلام الله“ کہ سارے کلاموں میں

افضل ترین کلام اللہ کا کلام یعنی قرآن پاک ہے، اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خیر کم من تعلم القرآن و علمه'' تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے قرآن کو پڑھے اور پڑھائے۔

اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو نماز میں پڑھتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلہ سو نیکی ملتی ہے اور جو شخص قرآن کریم کی تلاوت بغیر نماز کے وضو کے ساتھ کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلہ پچیس نیکی ملتی ہے اور جو شخص قرآن کریم کی تلاوت بغیر وضو کے کرتا ہے تو اس کو ہر حرف کے بدلہ دس نیکی ملتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں نے آپ کی رفاقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ درخواست پیش کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتادیں جس سے میں پوری زندگی فائدہ اٹھاؤں، آپ نے فرمایا اے معاذ اگر تم سعادت مندوں کا عیش چاہتے ہو اور شہداء کی موت چاہتے ہو اور قیامت کے دن نجات چاہتے ہو اور قیامت کے دن کی گرمی میں سایہ چاہتے ہو اور گمراہی سے نجات چاہتے ہو تو قرآن پاک کی تلاوت کی پابندی کرنا اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس میں شیطان کی گمراہی سے حفاظت ہے اور نامۂ اعمال کو یہ عمل وزنی بناتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کی عبادتوں میں افضل ترین عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ اس لئے ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے فارغ وقت کو زیادہ سے زیادہ قرآن کے سیکھنے اور سکھانے اور اس کی تلاوت میں

لگائے تا کہ دنیا وآخرت کی فلاح و بہبود سے مالا مال ہو سکے اور اللہ پاک کا زیادہ سے زیادہ قرب اس کو حاصل ہو سکے۔

اس لئے کہ کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل نے خواب میں اللہ کی زیارت کی اور پوچھا کہ اے اللہ ہم آپ کا قرب کس چیز کے ذریعہ حاصل کریں تو اللہ کی طرف سے جواب ملا ''بتلاوۃ القرآن'' قرآن کی تلاوت کے ذریعہ، اس کے بعد حضرت امام احمد بن حنبل نے سوال کیا ''**فهم ام بلا فهم**'' سمجھ کر یا بغیر سمجھے تو جواب ملا کہ قرآن پاک کی تلاوت ہر حال میں میرے قرب کا ذریعہ ہے خواہ سمجھ کر ہو یا بغیر سمجھے۔

اس لئے ہر مسلمان کو نماز کے ساتھ قرآن کریم سے خصوصی لگاؤ رکھنا چاہئے اور روزانہ کچھ نہ کچھ تلاوت کا معمول بنانا چاہئے، اللہ پاک ہر ایک کو تلاوت کی توفیق عطا فرمائے اور غیبی مدد شامل حال فرمائے۔ آمین۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تدفین کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب انتقال ہوا اور غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو قبرستان لے جانے کے لئے اس چارپائی کو چار حضرات نے اٹھایا جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے شوہر تھے (۲) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ دونوں آپ کے لڑکے تھے (۴) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ چاروں حضرات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ لے کر قبرستان میں قبر کے پاس پہنچے اور قبر کے کنارہ جنازہ رکھ دیا۔

اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے قبر کو مخاطب کر کے فرمایا اے قبر تمہیں معلوم ہے کہ تیرے پاس ہم کس کا جنازہ لے کر آئے ہیں، یہ جنازہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں۔

اس کے جواب میں قبر سے آواز آئی جس کو سارے حاضرین نے سنا "**ما انا موضع حسب و نسب**" کہ میں حسب و نسب کی جگہ نہیں ہوں، میرے یہاں حسب ونسب نہیں چلتا، میں تو صرف عمل صالح کی جگہ ہوں، مجھ سے نجات صرف وہی شخص پاسکتا ہے جس کی بھلائیاں بہت زیادہ ہوں اور دل شرک سے محفوظ ہو اور اعمال میں خلوص اور للّٰہیت ہو، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه**" کہ جس کے عمل نے اس کو پیچھے کر دیا اس کا نسب اس کو آگے نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اللہ کے نزدیک تو اصل چیز ایمان اور عمل صالح اور تعلق مع اللہ اور تقوی وخشیت ہے، باقی حسب ونسب کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت بلال حبشی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے بلال "أی عمل ارجی عندک" یہ سوال سن کر حضرت بلال لرزہ براندام ہو گئے اور روتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تو کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کے بارے میں، میں اللہ کے نزدیک قبولیت کی امید رکھوں، آقا نے فرمایا کہ نہیں تمہارے پاس ایسا عمل ضرور ہے اس لئے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے چلتے ہوئے تمہارے چپل کی آواز سنی ہے، اس کے جواب میں حضرت بلال نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول اس کے علاوہ تو کوئی عمل نہیں کہ جب میرا وضو ٹوٹتا ہے فوراً وضو کر لیتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں تو دو رکعت تحیۃ الوضوء ادا کرتا ہوں۔

اسی لئے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "**ان الله لاینظر الی صورکم و اموالکم بل ینظر الی قلوبکم و نیاتکم**" یعنی اللہ پاک کے فیصلے صورت اور مال کی بنیاد پر نہیں ہوتے بلکہ تقوی اور اخلاص کی بنیاد پر ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی بدشکل اعمال کے اعتبار سے بہت آگے ہو تو وہ ان شاء اللہ جنت میں بھی خوبصورت سے آگے رہے گا، اسی طرح اگر کوئی فقیر اعمال کے اعتبار سے آگے ہو تو وہ جنت میں غنی سے آگے رہے گا۔ اسی طرح اگر چھوٹی نسب والا ایمان و اعمال کے اعتبار سے آگے ہو تو بڑی نسب والے سے وہ جنت میں آگے ہوگا، کیونکہ حسب ونسب کا فرق اللہ کی نگاہ میں نہیں

ہے، یہ فرق تو صرف انسانوں کا بنایا ہوا ہے جو صرف دنیا میں رائج ہے جس کو نہ اسلام نے رائج کیا ہے اور نہ ہی پسند کیا ہے، اس لئے اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی جو اونچے مفسر اور محدث، فقیہ اور حافظ، عابد و زاہد صوفی اور ائمہ احناف میں سے ہیں، فقیہ اور امام الہدی کے لقب سے ملقب ہیں۔ نصر بن محمد بن ابراہیم الحنفی السمر قندی کے نام سے جانے جاتے ہیں، لیکن اپنے اصلی نام سے زیادہ اپنی کنیت فقیہ ابواللیث سمرقندی سے مشہور ہیں، بستان العارفین، تنبیہ الغافلین جیسی درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کا انتقال ۳۷۵ھ میں ہوا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے اس کے لئے ضروری ہے کہ چار چیزوں کے کرنے کا اہتمام کرے اور چار چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔

وہ چار چیزیں جن کے کرنے کا التزام کرے:

(۱) ان میں سے نماز کی پابندی ہے کہ ہمیشہ اہتمام اور التزام کے ساتھ پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرے۔

(۲) صدقہ کا اہتمام یعنی زیادہ سے زیادہ صدقہ نکالنے کا اہتمام ہو، اس لئے

کہ صدقہ اللہ کے غضب کو دور کرتا ہے۔

(۳) قرآن پاک کی تلاوت کیونکہ تلاوت قرآن اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

(۴) تسبیحات کی کثرت کیونکہ اس کے ذریعہ قبر میں وسعت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اور وہ چار چیزیں جن سے دنیاوی زندگی میں بچنے کا اہتمام والتزام کرے:

(۱) ان میں سے جھوٹ سے مکمل پرہیز کرنا ہے، اس لئے کہ جھوٹ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

(۲) خیانت، امانت میں خیانت خواہ مالی ہو یا غیر مالی ان سے مکمل پرہیز کرے۔

(۳) چغلخوری، اس سے بھی مکمل اجتناب کرے کیونکہ یہ بھی اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔

(۴) کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اس لئے کہ اس سے بھی عام طور پر عذاب قبر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے بچو اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچو "**فان عامة عذاب القبر منه**" کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے لئے جارہے تھے دوران سفر دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا، وہاں آپ ٹھہر گئے اور صحابہ سے فرمایا "**انهما ليعذبان**" کہ یہ دونوں عذاب قبر میں مبتلا ہیں، حالانکہ ان دونوں کو جو عذاب ہورہا ہے وہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں، اگر یہ ان سے بچنا

چاہتے تو بسہولت بچ سکتے تھے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص چغلخوری کرتا تھا، یعنی اس کا مشغلہ لگائی بجھائی تھا اور دوسری قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ شخص پیشاب کرتے وقت پردے کا اہتمام نہیں کرتا تھا یا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کھڑا ہو کر پیشاب کرتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عمومی طور پر رائج ہے اور غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی یہ غلیظ حرکت شروع کر دی ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

صرف ایک مرتبہ آپ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے وہ بھی عذر کی وجہ سے، گھٹنے کے اندر والے حصہ میں ایسی تکلیف تھی جس کی وجہ سے آپ بیٹھنے پر قادر نہیں تھے اس لئے آپ ایسی جگہ تشریف لے گئے جہاں لوگ کوڑا کباڑا پھینکتے تھے، آپ نے مجبوری میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

لیکن آج ان مسلمانوں پر افسوس ہوتا ہے جو اسلام کے دعوے دار ہونے کے باوجود اس قبیح اور غلیظ حرکت میں مبتلا ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال

حضرت حبیب الامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حضرت عثمان غنی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اکابرین صحابہ میں سے ہیں اور سلسلہ خلافت کی آپ تیسری کڑی ہیں، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دونور نظر کی نسبت کا شرف آپ کو حاصل ہے، اسلام اور مسلمانوں پر بے پناہ دولت آپ نے صرف کیا بالخصوص اہل مدینہ کے لئے پانی کا انتظام آپ نے کیا، شہادت کی موت آپ کو نصیب ہوئی، اس کے علاوہ ہزاروں خوبیاں آپ کے اندر تھیں، اس کے باوجود آپ کا حال یہ تھا کہ جب آپ کا گذر کسی قبر کے پاس سے ہوتا تو وہاں ٹھہر کر آپ اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوجایا کرتی تھی، کہنے والے اور دیکھنے والے آپ سے یہ کہتے کہ امیرالمؤمنین جنت وجہنم کا آپ تذکرہ فرماتے ہیں اور قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہوتا ہے لیکن اس وقت آپ اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے پاس آکر روتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "**القبر اول منزل من منازل الآخرة**" کہ قبر آخرت کے منازل میں سے پہلی منزل ہے اور یہ دنیا کے منازل میں سے آخری منزل ہے جو یہاں نجات پا گیا اس کے بعد کے منازل آسان ہیں اور جس کی نجات یہاں نہیں ہوسکی تو اس کے بعد کے مراحل اس کے لئے بہت زیادہ سخت ہوں گے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھ کو جہنم میں ڈال دیا تو وہاں بھی میں لوگوں کے ساتھ رہوں گا اور قیامت کے دن بھی بہت لوگ میرے ساتھ ہوں گے، لیکن قبر میں ہر ایک کو اکیلا اور تنہا رہنا پڑے گا، وہاں کوئی ساتھ نہیں ہوگا، یہ تنہائی کی وحشت جب قبر کے پاس پہنچتا ہوں تو مجھ کو رلاتی ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت الیاس علیہ السلام انبیاء میں سے ایک نبی ہیں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے، لیکن موت وحیات اللہ کا بنایا ہوا ایسا دستور ہے جس سے ہر ایک کو گزرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام ایک دن بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لئے آ گیا، ملک الموت کو دیکھ حضرت الیاس علیہ السلام بہت گھبرائے اور بہت زیادہ روئے، اس پر ملک الموت نے ان سے سوال کیا کہ اے الیاس آپ اتنا زیادہ کیوں رو رہے ہیں؟ اور گھبرا رہے ہیں؟ یہ رونا اور گھبراہٹ موت کی وجہ سے ہے یا دنیا کے چھوٹنے کی وجہ سے؟

اس کے جواب میں حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا کہ میری گھبراہٹ نہ دنیا چھوٹ نے کی وجہ سے ہے نہ موت کی وجہ سے ہے بلکہ اللہ کا ذکر چھوٹنے کی وجہ سے میں رو رہا ہوں کیونکہ میرے بعد لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں گے اور اس ذکر کی مجلس میں، میں نہیں رہوں گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی کہ ان کی روح کو قبض نہ کرو ان کو زندہ رہنے دو چونکہ وہ زندگی میرے ذکر کے لئے مانگ رہے ہیں اپنے لئے نہیں، چنانچہ اس کے بعد ملک الموت واپس ہو گئے اور ان کی روح قبض نہیں کی۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے

فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اور مجلس ذکر کی کتنی اہمیت ہے اور جن حضرات کو ذکر کی حلاوت اور لذت مل جاتی ہے وہ اس کو سرمایۂ نجات و سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں اور ذکر میں لگے رہنے کو خلاصہ زندگی تصور کرتے ہیں۔

حضرت رائے پوری کا واقعہ

چنانچہ حضرت رائے پوری کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کی خانقاہ میں ان کی چارپائی کے پاس چوبیس گھنٹہ ذکر کی مجلس چلتی تھی اور یکے بعد دیگرے ذاکرین مستقل ذکر کرتے رہتے تھے، حضرت رائے پوری کے دل و جان میں ذکر کی حلاوت اتنی بیٹھ چکی تھی کہ ذکر کے بغیر آپ تھوڑی دیر بھی نہیں رہ پاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ امیر المومنین روح جب جسم سے نکلتی ہے تو اس کا مقام اور ٹھکانہ کہاں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ارواح کے ٹھہرنے کی سات جگہیں ہیں۔

(۱) انبیاء اور رسولوں کی روحیں جنت عدن میں ٹھہرتی ہیں جو جنت کا ایک مقام ہے۔

(۲) علماء کی روحوں کا مستقر جنت الفردوس ہے جو جنت کا ایک درجہ ہے۔

(۳) سعداء اور نیک لوگوں کی روح کا مستقر علیین ہے۔

(۴) شہداء کی روحیں پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی رہتی ہیں۔

(۵) گنہگاروں کی روحیں ہوا یعنی فضاء میں معلق رہتی ہیں، ان کی روحیں نہ زمین میں ہوتی ہیں، نہ آسمان میں بلکہ دونوں کے درمیان معلق رہتی ہیں۔

(۶) مؤمنین کے چھوٹے بچوں کی روحیں مشک کے پہاڑ پر رہتی ہیں۔

(۷) کفار اور مشرکین کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں اور ان روحوں کو جسم کے ساتھ قیامت تک عذاب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**ان کتاب الفجار لفی سجین**"۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کے کپڑے میں پیوند کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر ایک مرتبہ مکتب سے روتے ہوئے گھر آئے، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑ گئی، ان کو روتا ہوا دیکھ کر آپ نے ان سے پوچھا بیٹا کیوں رو رہے ہو؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ مکتب کے بچوں نے میرے پیوند کو گنا اور اس کے بعد بطور طنز کے یہ کہا کہ امیر المومنین کے لڑکے کو دیکھو اس کے کپڑے میں کتنے پیوند لگے ہوئے ہیں؟ چونکہ حضرت عبداللہ کے بدن پر جو کرتا تھا، اس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض پیوند چمڑے کے تھے، اسی لئے حضرت عبداللہ

کے ساتھیوں نے مکتب میں ان کا مذاق اڑایا اور کہا کہ امیر المومنین کا یہ بیٹا ہے اس کے باوجود چودہ پیوند لگے ہوئے کپڑا پہنے ہوئے ہے اس کو بے پیوند کا کرتا نصیب نہیں ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور خازن سے یہ کہلوایا کہ بیت المال سے چار دراہم بطور قرض کے دے دیں جب مہینہ ختم ہوتو میرے وظیفہ سے جو مجھ کو ملتا ہے اس میں سے یہ چار دراہم کاٹ لیں یہ پیغام امیر المومنین کا تھا جو انھوں نے اپنے ماتحت خازن کے پاس بھیجا، لیکن قربان جایئے اس وقت کی امانت و دیانت پر کہ خازن نے اس کے جواب میں امیر المونین کو لکھا کہ امیر المومنین کیا آپ کو اعتماد و اطمینان ہے کہ آپ اس مہینہ کے اخیر تک زندہ رہیں گے، اگر آپ اس سے پہلے رخصت ہو گئے تو بیت المال کے دراہم کا کیا ہوگا؟ جو آپ کے ذمہ بطور قرض کے رہیں گے، میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ آپ کے ذمہ بیت المال کا کوئی قرض رہے اس لئے میں آپ کو اس مہینہ کے اخیر تک چار دراہم قرض دینے سے معذرت خواہ ہوں۔

حضرت امیر المؤمنین نے جب خازن کا یہ جواب سنا تو وہ رو پڑے اور اپنے برخوردار حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ بیٹا اسی حال میں مکتب چلے جاؤ، مجھے اپنی زندگی پر ایک گھنٹہ بھروسہ نہیں ہے، اس لئے میں کیسے قرض لے کر تمہارے لئے نیا کرتا بناؤں۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا یہ تھے ہمارے اسلاف و اکابر اور مقتدا اور یہ تھا ان کا کردار آج تو لوگ اپنے بچوں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی آخرت تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور ان کو احساس تک

نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں بلکہ بعضوں کی تو پوری زندگی اولاد کی بے جا نکھڑوں کی تکمیل میں گذر جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ان کو اپنی آخرت کی تعمیر کی فرصت نہیں ملتی۔

ہمارے اسلاف کا یہ وہ کردار تھا جس کو دنیا فراموش نہیں کر سکی، تاریخ اور سیرت کے اوراق اور صفحات میں آج بھی یہ چیزیں محفوظ ہیں اور اپنوں کے ساتھ غیروں کے لئے بھی یہ چیزیں درس عبرت ہیں۔

چنانچہ ہندوستان کی آزادی جب عمل میں آئی اور انگریز اس ملک کو چھوڑ کر چلے گئے تو مہاتما گاندھی نے اس وقت ایک مضمون لکھا تھا جو ہندوستان کے سارے اخبارات میں چھپا کہ ہمارے ہندوستانی وزرا اگر عالمی وقار چاہتے ہیں عالمی عزت چاہتے ہیں تو صدیق اور فاروق کا نمونہ سامنے رکھنا ہوگا کہ روم اور شام کی حکومتیں ان کے قدموں میں گریں اور ان کی دولت ان کے قدموں میں نچھاور ہوگئیں، لیکن قربان جائیے حضرت صدیق اور فاروق اعظم پر کہ نہ ان کے پیوند لگے ہوئے کپڑے چھوٹے نہ جو کی روٹی چھوٹی نہ فقر وفاقہ چھوٹا۔

یہ مضمون وہ تھا جو مہاتما گاندھی نے لکھا اور جس کو پورے ہندوستان کے لوگوں نے پڑھا، ہمارے بزرگوں کے یہ وہ کردار تھے جس کو غیروں نے دیکھا اور پڑھا اور اس سے متاثر ہوئے اور دوسروں تک اس کردار کو پہونچایا، لیکن آج افسوس کہ اپنوں کو نہ ان کو پڑھنے کی فرصت ہے نہ اس پر عمل کرنے کی اور نہ ہی دوسروں تک اس کو پہنچانے کی فرصت ہے اللہ ہی اس امت کے حال پر رحم فرمائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اسلاف کی کتابوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر چالیس ہزار دینار سراً یعنی چپکے سے اور چالیس ہزار دینار علانیہ یعنی دکھا کر اور اس کے علاوہ گھر میں جو کچھ تھا حتی کہ پہننے والے بدن کے کپڑے بھی اللہ کے راستہ میں دے دیئے اور بدن چھپانے کے لئے کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے تین دن تک آپ گھر سے باہر نہیں نکلے جس کی وجہ سے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ سے بھی آپ غیر حاضر رہے۔

جب اس کی خبر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لگی تو کپڑے کی تلاش میں ازواج مطہرات کے پاس گئے اور آپ نے ہر ایک سے دریافت کیا کہ اگر ضرورت سے زائد تمہارے پاس کپڑا ہو تو دے دو لیکن کسی کے پاس بھی ضرورت سے زائد کپڑا نہیں ملا۔

اس کے بعد حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر مغموم حالت میں تشریف لائے اور حضرت فاطمہ کو حضرت ابو بکر کی صورت حال سے واقف کرایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حال سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بہت رنج ہوا لیکن ضرورت سے زائد چونکہ آپ کے پاس بھی کوئی کپڑا نہیں تھا، اس لئے آپ بھی کوئی کپڑا نہیں پیش کر سکیں۔

چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی جب حضرت علی سے ہوئی تو

شادی کے بعد سامان جہیز حضرت علی کے یہاں بھجوانے کے لئے چار صحابہ کو اللہ کے رسول نے بلوایا (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت اسامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ چاروں حضرات صحابہ حضرت فاطمہ کا جہیز لے کر حضرت علی کے مکان پر تشریف لے گئے۔

سامان جہیز میں ایک چکی، ایک دباغت دی گئی کھال، ایک تکیہ جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال رکھی ہوئی تھی، ایک تسبیح، ایک پانی کا مٹکا، اور ایک پیالہ تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جہیز دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا اے اللہ کے رسول جنت کی عورتوں کی سردار اور اللہ کے رسول کی شہزادی کا یہ جہیز ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اے ابوبکر دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے یہ بہت ہے اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دلہن بن کر حضرت علی کے گھر گئیں، اس حال میں کہ آپ کے بدن پر اونی چادر تھی جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سسرال یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چکی پر اپنے ہاتھ سے جو کا آٹا پیستی تھیں اور زبان سے قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں اور دل سے قرآن پاک کے معانی و مطالب کو سمجھتی تھیں اور پاؤں سے چلتی پھرتی تھیں اور آنکھوں سے روتی رہتی تھیں۔

بہرحال جب حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ

عنہا کے گھر حضرت ابوبکر صدیق کو دینے کے لئے کوئی کپڑا نہیں پایا تو حزن وملال کے ساتھ آپ واپس آ گئے۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ تکیہ جو آپ کو جہیز میں ملا تھا اور ایک عباء جو اپنے لئے حضرت فاطمہ نے بنا تھا ایک باندی کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت فاطمہ نے یہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر سے کہہ دینا کہ آپ نے ہمارے والد محترم کے حق میں جو قربانی دی اس کا مجھے علم ہوا لیکن میرے پاس آپ کے پاس بھیجنے کے لئے سوائے اس تکیہ کے جس کو میرے والد نے میرے جہیز میں دیا تھا اور عباء جس کو میں نے اپنے لئے اپنے ہاتھ سے بنا تھا اور کچھ نہیں ہے، لہٰذا اس کو قبول فرمایئے۔

چنانچہ باندی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچی اور دروازے پر کھڑی ہو کر اس نے ان الفاظ کے ساتھ سلام کیا۔ ''السلام علیکم یا صاحب الصدق''، اے صدیق آپ پر سلام ہو اس کے بعد باندی نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بسر وچشم اس کو قبول فرمایا اور عباء کو فوراً اپنے بدن پر ڈالا اور عباء کے اگلے حصہ کو کھجور کے کانٹوں سے ٹانک لیا تاکہ چلنے میں بے پردگی نہ ہو اور اسی حال میں فوراً ننگے پاؤں پیدل چل کر بارگاہ نبوی میں پہنچ گئے، آپ کے پہنچتے ہی بارگاہ رسالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور وہ اسی لباس میں تھے جس میں حضرت ابوبکر تھے یعنی بدن پر عباء اور اس کے اگلے حصہ کو کھجور کے

کانٹوں سے ٹانک رکھا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو اس لباس میں دیکھ کر سوال کیا، میرے بھائی جبرئیل میں نے اس لباس میں کبھی بھی آپ کو نہیں دیکھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے رسول آج میرا ہی نہیں بلکہ آسمان دنیا پر جتنے بھی فرشتے ہیں، ان سب کا لباس یہی ہے اور یہ صرف حضرت ابوبکر صدیق کی محبت اور ان کی موافقت میں ہے اس کے بعد حضرت جبرئیل نے اللہ کے رسول سے کہا اے اللہ کے رسول اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ سے کہا ہے ابوبکر سے کہیں وہ مجھ سے راضی ہیں یا نہیں؟ جس طرح میں اس سے راضی ہوں۔

یہی وہ مقام ہے جس کے بارہ میں علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام حضرت ابوبکر کو پہنچایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور تین مرتبہ یہ فرمایا کہ اے اللہ "انا عنک راض و انت راض عنی"۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا یہ تھے ہمارے بڑے اور یہ تھی دین اور اسلام کے لئے ہمارے بڑوں کی قربانیاں اور یہ تھا شہزادیٔ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز، کاش آج امت کی سمجھ میں یہ چیزیں آجائیں تو بہت سی آفات و مصیبت اور پریشانیوں سے نجات پاجائیں، اللہ ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ان باتوں کے پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت، مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں ہزار فیض یافتہ تلامذہ ہندو بیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد ۴۰ ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، أحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، حیات حبیب الامت (اول، دوم، سوم)، حضرات صوفیاء اوران کا نظامِ باطن، تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت، حبیب السالکین، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب (جلد اول، دوم)، تحقیقات فقہیہ، التوضیح الضروری شرح القدوری، ملفوظات حبیب الامت (جلد اول ودوم)، اک چراغ، جمال ہمنشیں، جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء

سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں خاص طور پر حبیب الفتاوی کی آٹھ جلدیں جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل و مدلل اہل افتاء ودار الافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مدعو خصوصی ہیں، الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی وصدر ہیں۔ جس کے تحت درجنوں مکاتب غریب علاقوں میں چل رہے ہیں اور مساجد کی تعمیر کا کام ہورہا ہے اور غرباء ومساکین وبیوگان کی ماہانہ وسالانہ امداد کی جاتی ہے۔ **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور**، سنجر پور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے بانی ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دار الافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت قاری **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم**

صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی حاصل ہے۔روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔آج تک سیکڑوں حضرات آپ سے اجازت بیعت حاصل کر چکے ہیں جو خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں۔

میدان خطابت میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے، آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہندو بیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں، جن سے ایک عالَم مستفید ہو رہا ہے۔

(Go You Tube Print Mufti Habibullah Qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے، اللہ پاک ہم سب کو حضرت والا کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔آمین۔

☆☆☆

حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدود شرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ''حبیب الفتاوی'' اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم اور ۴۰ کتابوں کے مصنف حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔ تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے۔ جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریبا تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاوی'' کی آٹھ (۸) جلدیں نئی تحقیق وتعلیق اور جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

☆☆☆

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبۃ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

(۲) مکتبۃ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبۃ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ حبیب آباد جھٹکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

(۴) مکتبہ طیبہ دیوبند ضلع سہارنپور

(۵) اسلامک بک سروس پٹودی ہاؤس دریا گنج، دہلی

حضرت حبیب الامت کی تصنیفات ایک نظر میں

(۱) حبیب الفتاوی (جلد اول)

(۲) حبیب الفتاوی (جلد دوم)

(۳) حبیب الفتاوی (جلد سوم)

(۴) حبیب الفتاوی (جلد چہارم)

(۵) حبیب الفتاوی (جلد پنجم)

(۶) حبیب الفتاوی (جلد ششم)

(۷) حبیب الفتاوی (جلد ہفتم)

(۸) حبیب الفتاوی (جلد ہشتم)

(۹) تحقیقات فقہیہ (جلد اول)

(۱۰) تحقیقات فقہیہ (جلد دوم)

(۱۱) رسائل حبیب (جلد اول)

(۱۲) رسائل حبیب (جلد دوم)

(۱۳) صدائے بلبل (جلد اول)

(۱۴) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۱۵) التوضیح الضروری شرح القدوری

(۱۶) ملفوظات حبیب الامت (جلد اول ودوم)

(۱۷) جمال ہم نشیں

(۱۸) حیات حبیب الامت (جلد اول، دوم، سوم)

(۱۹) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۲۰) مبادیات حدیث

(۲۱) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۲۲) التوسل بسید الرسل

(۲۳) جذب القلوب

(۲۴) حبیب السالکین

(۲۵) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲۶) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۷) قدوۃ السالکین

(۲۸) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۲۹) احکام یوم الشک

(۳۰) نوٹ کی شرعی حیثیت

(۳۱) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۳۲) علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت

(۳۳) مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۳۴) درود وسلام کا مقبول وظیفہ

(۳۵) خدمات حبیب الامت

(۳۶) خطبات حبیب الامت

(۳۷) برکات قرآن

(۳۸) اک چراغ